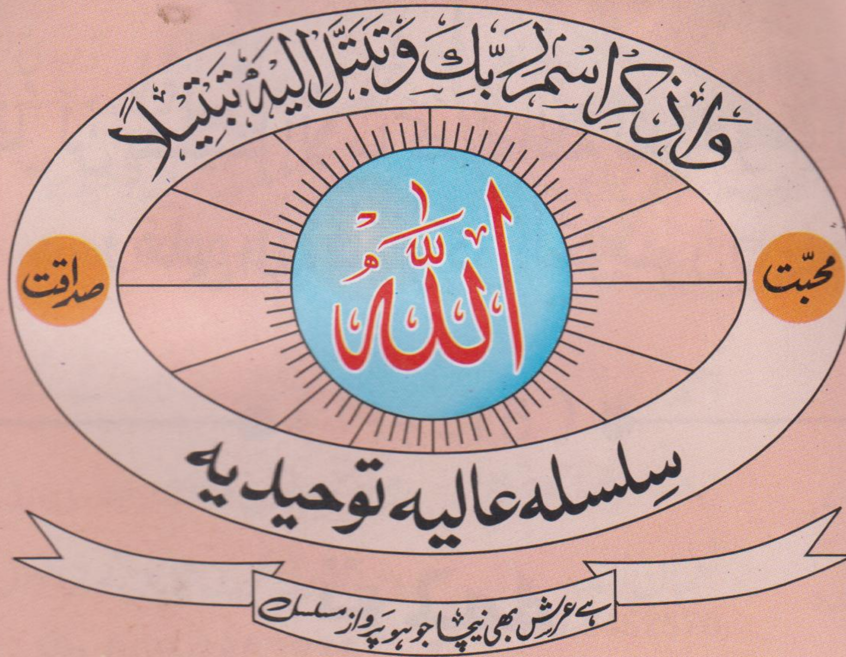
جلد 12 شمارہ 8 جولائی 2010ء رجب 1431ھ



ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

منشور دعوت

قُلۡ لَنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ھُوَ مَوۡلٰنَا
وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝

(التوبہ ـ 51)

ترجمہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی مگر وہی
جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا کارساز ہے۔
مومنوں کو اللہ ہی کا بھروسہ رکھنا چاہیئے۔





بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران وسرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

شیخ سلسلہ ومدیر سے رابطہ کے لئے

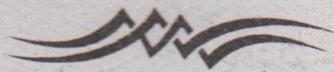
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر : 0321-6400942
فیکس نمبر: +92-55-3736841
ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/20 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپواکر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں



درس قرآن

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

واقعہءِ افک

اِس کے بعد واقعہءِ افک اور اس سے متعلقہ احکام ہیں۔اس سے قبل ایک مقام پر ذکر ہو چکا کہ سیدہ عائشہؓ پر منافقین نے بہت بڑی تہمت لگا دی اور اہل ایمان میں سے چند سادہ لوح لوگوں نے ان کا ساتھ یوں دیا کہ سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دیا اسی لئے حضورﷺ نے فرمایا:۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمعo

''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو بات کہیں سے سن لے، وہ (بغیر تحقیق کے) آگے بیان کردے''۔

اِس بات کا قرآنِ مجید میں یوں ذکر فرمایا گیا:۔

اِن جاء کم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم ندمینo

''اے اہل ایمان! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو پہلے تحقیق کر لیا کرو۔مبادا تم کسی قوم کے خلاف اس جہالت کی وجہ سے جھگڑ پڑو اور پھر اپنے کئے پر پچھتانے لگو''۔ (الحجرات:6)

چنانچہ ہر شخص کی بات کو مان کر بغیر کسی تحقیق کے اس کو پھیلانا صحیح نہیں۔کیونکہ اس افواہ سازی سے فتنے پیدا ہوتے ہیں گو کہ افواہ سازی کا کام ''جمہوری معاشرے'' میں بہت زیادہ ہوتا ہے مگر ''اسلامی معاشرے'' میں اس کی گنجائش نہیں۔''جمہوری معاشرے'' افواہوں، اخباروں اور سکینڈلوں کا سہارا لیتے اور ان کے بل بوتے پر چلتے ہیں۔

تو آیئے واقعہءِ افک کے ثمرات وعواقب پر نظر ڈالیں۔واقعہ یہ ہوا کہ سیدہ عائشہؓ کے خلاف جھوٹ اور بہتان کا طوفان کھڑا کیا گیا۔فطری بات یہ ہے کہ اس سے حضور اکرمﷺ بھی متاثر ہوئے۔سیدہ عائشہؓ اپنے والدین کے گھر چلی آئیں۔حضور اکرمﷺ ایک ماہ تک بعض صحابہ

کرامؓ کے علاوہ سیدہ عائشہؓ کی بہن اور بعض رشتہ داروں سے حقیقتِ حال کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے رہے۔ افواہیں پھیلانے والوں میں سب سے آگے وہ شخص تھا جس کی سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے ساری عمر مالی معاونت کی۔ اس کا نام مسطح بن اثاثہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی اس قدر معاونت کے باوجود اس کو لحاظ نہ آیا کہ ان کی صاحبزادی کے بارے میں سنی سنائی بات پھیلانی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے سیّدہ عائشہؓ کی براءت کے بارے میں سورہ نور کی آیات اُتاریں اور اس شان سے کہ کائنات میں آج تک کسی الہامی کتاب میں اس طرح سے کسی خاتون کو یہ مقام نصیب نہ ہوا جو سیدہ عائشہؓ کو نصیب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی براءت کا اظہار کرکے مومن کو ''ڈانٹ'' پلائی کہ میرے حبیب کی بیوی کے بارے میں تم یہ گمان کرتے رہے اور زبان سے ایسی باتیں کرتے رہے! کیا یہ نہ ہوسکتا تھا کہ تم یوں کہتے:۔

سبحنك هذا بهتان عظيمo

''اے اللہ! تو پاک ہے، بخدا یہ بہت بڑا بہتان ہے''۔ (نور:16)

صرف یہی نہیں بلکہ قیامت تک کیلئے قانون بنا دیا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی پاکدامن پر بہتان لگائے تو نیک گمان کیا جائے اور اس وقت تک اس کو مجرم نہ سمجھا جائے جب تک اس کے خلاف گواہی سے جرم ثابت نہ ہو جائے۔ کیونکہ اسلامی معاشرے کا مزاج یہ ہے کہ ہر شخص کو اس وقت تک عادل سمجھا جائے جب تک اس کے خلاف جرم ثابت نہ ہو جائے بخلاف انگریز کے پیدا کردہ ہمارے موجودہ معاشرے کے کہ اس میں ہر شخص مجرم یا ملزم ہے اور اس کو اپنی بے گناہی ثابت کرنا پڑتی ہے۔ یہاں سیّدہ عائشہؓ کے ذریعہ اُمت کے سارے پاکدامن افراد، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، ان کی عزت وعصمت کی پاکدامنی کا قانون بنا دیا گیا نیز یہ کہ اس قسم کی باتیں کرنے یا سننے سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہئے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ! ''جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا، اس وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریحاً بہتان ہے؟ وہ لوگ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر دنیا

وآخرت میں اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے، ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ ذرا غور تو کرو کہ اس وقت تک کیسی سخت غلطی کر رہے تھے جبکہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جارہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جارہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ ایک بہت بڑی بات تھی۔ کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔ سبحان اللہ! یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ اللہ تمہیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے اور وہ علیم وحکیم ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحاشی پھیلے، وہ دنیا وآخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' (نور: 12-19)

بے نفسی وایثار کی انتہا

اس واقعے کے بعد سیدنا ابوبکرؓ نے مسطح بن اثاثہ کی مالی مدد بند کر دی۔ اس طرح اور صحابہؓ نے بھی ان لوگوں کی مالی مدد بند کر دی جو اس واقعے میں سیدہ عائشہؓ کے خلاف غیر ذمہ دارانہ گفتگو کے مرتکب ہوئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات بھی پسند نہ آئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

ولا یاتل اُولو الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اُولی القربی والمسکین والمھجرین فی سبیل اللہ ۔ ولیعفوا ولیصفحوا ۔ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم ۔ واللہ غفور رحیمo

''تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضل اور صاحبِ وسعت ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھالیں کہ رشتہ داروں، محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو خرچ وغیرہ نہ دیں گے۔ ان کو چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تم کو بخش دے؟ اور اللہ تو بخشنے والا اور مہربان ہے''۔ (نور: 22)

یعنی تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کر دے تو تم بھی معاف کرنا سیکھو۔ تم بھی درگزر کیا کرو۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے مسطحؓ کی مالی مدد دوگنی کر دی۔

؎ ما سلطنت بہ کوچہ جاناں فرو ختیم
؎ جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی، ان داموں تو سستی ہے

پاکدامن مردوں کیلئے پاکدامن بیبیاں

پھر ایک ضابطہ بیان کیا کہ پاکدامن مردوں کیلئے پاکیزہ عورتیں اور بدخصلت لوگوں کیلئے بدکردار عورتیں ہی مناسبت رکھتی ہیں۔ گویا سیدہ عائشہؓ کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ تعلق اس بات کی علامت ہے کہ آپ پاکدامن اور بلند کردار ہیں۔

پرائیویسی کا تصور

اس کے بعد ایک معاشرتی قانون کا ذکر ہے:

یایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا۔

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے گھروں میں ان کی اجازت لئے بغیر اور سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو''۔ (نور:27)

یعنی اگر کسی کے گھر میں جانا ہو تو اجازت لے کر جاؤ اور پھر داخل ہوتے وقت سلام کر کے داخل ہوں اور اگر اہل خانہ اجازت نہ دیں تو واپس ہو جانا چاہئے۔

پردے کا حکم

دوسرے معاشرتی قانون میں زنا کے پہلے سبب کا ذکر ہے اور وہ بری نظر ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت نے پردے کے احکامات نازل کئے۔ اس ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: ''اے پیغمبر! اہل ایمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں، اللہ ان سے باخبر ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں۔ سوائے اس میں سے کھلا رہتا ہے اور اپنے سینے کو اوڑھنی سے ڈھانک رکھیں۔ اپنے خاوند، باپ،

خسر، بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، عورتوں، لونڈی اور غلاموں کے علاوہ نیز ان خدام سے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں، ان لوگوں کے علاوہ کسی اور پر اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں (ایسے طور پر) نہ ماریں (کہ جھنکار کی آواز کانوں تک پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور ظاہر ہو جائے اور اے مومنو! سب اللہ کے حضور توبہ کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

(نور:30-31)

شرم و حیا کی پابندی کے اس ضابطے کے بعد بالغ بچوں اور بچیوں کے ورثاء اور سرپرستوں کیلئے ایک حکم ہے کہ بالغ ہوتے ہی ان کا نکاح کر دیا جائے۔ اسی طرح لونڈی اور غلام کو بھی نکاح کے بندھن میں باندھ کر ان کی نفسانی خواہشات کو قابو کیا جائے اور جو لوگ اس کی استطاعت نہ رکھتے ہوں، وہ بھی اپنی ان خواہشات کو قابو میں رکھیں۔ ایک حدیث مبارکہ اس مضمون کو مزید واضح کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے صاحب حیثیت لوگ شادی کر لیں اس لئے کہ نکاح نظر کو نیچا کرتا ہے اور شرمگاہ کو تحفظ عطا کرتا ہے اور جو شخص (اخراجات کی) طاقت نہ رکھتے ہوں، وہ روزے رکھا کریں۔ اس لئے کہ روزے اس کی جنسی شہوت کو کچل دیں گے''۔ (بخاری و مسلم)

اطلاع فوت شدگان

گوجرانوالہ کے بھائی۔ محمد اقبال صاحب کی خالہ زاد بہن اور خالہ جان محمد اشرف گھمن صاحب کی زوجہ

پروفیسر طارق محمود صاحب کے خالہ زاد بھائی اور نانی اماں قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں ہیں۔

تمام بھائیوں سے مرحومین کیلئے دُعائے مغفرت کی استدعا ہے۔

درس حدیث

فنا و بقا کی نئی قدر

(مولانا جعفر شاہ پھلواروی)

ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ:

انہم ذبحوا شاۃ فقال النبی ﷺ ما بقی منھا ؟ قالت ما بقی منھا الا کتفھا قال بقی کلھا الا کتفھا۔

"(عائشہ صدیقہؓ کے گھر والوں نے) ایک بکری ذبح کی۔ (جس کا اکثر حصہ مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا)۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس میں سے کچھ باقی بھی رہا ہے؟ عائشہؓ نے کہا کہ صرف دست باقی رہ گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سارا کچھ باقی ہے بجز اس دست کے"۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حدیث عربی زبان اور اس کے اندازِ گفتگو کا بہترین نمونہ ہے۔ عربی گفتگو میں عموماً وہ جزئی تفصیلات محذوف ہوتی ہیں جو اس کے بین السطور ہوتی ہیں یا فحوائے کلام سے بہ آسانی سمجھ آ جاتی ہیں۔ مثلاً **انھم ذبحوا** کے لفظی معنی ہیں ان مردوں نے ذبح کیا۔ یہاں یہ ذبح کرنے والے کون لوگ ہیں اِس کا جواب اِسی عبارت کے اندر موجود ہے۔ روایت عائشہ صدیقہؓ سے ہے۔ ذبح کی جانے والی بکری کے متعلق سوال بھی ان ہی سے ہے۔ اور پھر جواب بھی وہی دیتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حجرہ عائشہ کا واقعہ ہے۔ غالب قرینہ ہے کہ خود حضرت عائشہؓ ہی نے بکری ذبح کی تھی۔ **انھا ذبحت** (صیغہ واحد مونث غائب) کی جگہ **انھم ذبحوا** (بہ صیغہ جمع مذکر غائب) عربی زبان کا بہت عام اندازِ گفتگو ہے اور اس کی بے شمار مثالیں کلامِ عربی میں پائی جاتی ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک نابینا ازواجِ مطہرات کے پاس بے حجابانہ داخل ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ تو نابینا ہے اس سے پردے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں۔ لہٰذا **لا یدخلن علیکم** یہ پھر تمہارے گھروں کے اندر نہ آئے۔ یہاں مخاطب صرف عورتیں (ازواج مطہرات) ہیں لیکن مخاطبت کے وقت **علیکم** (صیغہ جمع مذکر

مخاطب) کا لفظ فرمایا گیا ہے۔بہر حال کہنا یہ ہے کہ یہ واقعہ حجرہ عائشہؓ ہی کا ہے لیکن اتنا حصہ چونکہ سیاق وسباق سے خود بخود سمجھ میں آ جاتا ہے۔اِس لئے حذف کر دیا گیا ہے۔اِسی طرح اس حدیث میں لفظاً اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ بکری ذبح ہونے کے بعد اقربا یا مساکین میں تقسیم کر دی گئی تھی۔لیکن اتنی بات خود حضورﷺ کے اس سوال سے سمجھ آ جاتی ہے کہ **ما بقی منھا** (اِس میں سے کچھ بچا بھی؟) پھر آگے بقاوفنا کی جو نئی قدر حضورﷺ نے دی اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مختلف حصے مستحقین میں تقسیم کر دیے گئے تھے۔یہ بات خود عبارت کے بین السطور میں موجود ہے اس لئے یہ اصل عبارت میں محذوف ہے۔قرآن، حدیث کلام عرب کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ہم نے صرف وضاحت کیلئے ان دونوں محذوفات کو بین القواسین لکھ دیا ہے۔اِس اصول کو مدنظر رکھنا عربی عبارتوں کو سمجھنے میں خصوصیت کے ساتھ بہت مدد دیتا ہے۔

اِس حدیث میں جو چیز خاص طور پر قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ فناو بقا (کسی چیز کے ختم ہونے اور باقی رہ جانے) کی ایک نئی قدر بخشی گئی ہے۔قرآنی اقدار ان اقدار سے بالکل مختلف ہیں جو انسانوں نے وضع کر رکھی ہیں۔اس کی ایک دو نہیں بکثرت مثالیں ہیں۔پیغمبر تو آتا ہی اس لئے ہے کہ انسانوں کی وضع کردہ غلط اقدار کو بدل دے۔دُنیا آنکھ والوں کو بینا، کان والوں کو شنوا اور زبان والوں کو گویا کہتی ہے۔لیکن اگر ان قوتوں کا صحیح استعمال نہ ہو تو قرآن ان ہی کان، زبان اور آنکھ رکھنے والوں کو **صم بکم عمی** ۔(بہرے، گونگے اور اندھے) کہتا ہے۔انسان ہر چلنے پھرنے والوں کو زندہ کہتا ہے اور قرآن ان میں سے بہتوں کو موتی (مُردے) کہتا ہے۔اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ راہِ خدا میں جان دینے والوں کو دنیا مردہ ہی کہتی اور مردہ ہی سمجھتی ہے لیکن قرآن ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ **بل احیاء** (یہ زندہ ہے) اور **ولا تقولو** اور **ولا تحسبن** فرما کر مُردہ کہنے اور مُردہ سمجھنے دونوں ہی سے روک دیا ہے۔اِسی طرح اہل دُنیا کی نگاہوں میں صدقات دینے سے مال میں کمی آتی ہے اور سود لینے سے اضافہ ہوتا ہے لیکن قرآن کی بخشی ہوئی قدر اس بارے میں یہ ہے کہ **یمحق اللّٰہ الربوا ویربی الصدقت** اللہ سود ہی کو مٹاتا اور صدقات ہی کو بڑھاتا ہے۔قریب قریب یہی مضمون

دوسرے انداز سے یوں دہرایا گیا ہے کہ: **وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا واعظم اجرا** ۔(کچھ دے کر جو تم اپنے لیے آگے بھیجتے ہو اسے بارگاہ ایزدی میں اس سے بہتر پاؤ گے اور اس کا صلہ بھی بہت بڑا حاصل کرو گے)۔مطلب یہ ہے کہ انجام کے اعتبار سے ''دینا'' کمی کا سبب نہیں ہوتا بلکہ باعثِ اضافہ ہوتا ہے۔تمہیں جو کچھ ختم یا فنا ہوتا نظر آتا ہے وہی اصل بقا ہے۔

یہی ہے وہ حقیقت جو حضورﷺ کی زبان سے زیر بحث حدیث میں بیان ہوئی ہے۔حضورؐ نے جب سوال کیا کہ اس ذبح کی ہوئی بکری میں سے کیا بچ رہا؟ تو حضرت عائشہؓ کا وہی جواب تھا جو دنیا کے ہر شخص کا ہو سکتا تھا یعنی دست بچ گیا ہے۔حضورﷺ نے اسی وقت فنا و بقا کی نئی قدر ختم ہونے اور بچ رہنے کا نیا پیمانہ عطا فرما دیا کہ حقیقت میں وہی باقی ہے جو بہ ظاہر چلا گیا اور فانی وہی حصہ ہے جسے تم بچا ہوا سمجھ رہی ہو۔

یوں بھی قانونِ فطرت کے معیار پر اس اصول فنا و بقا کو پرکھ کر دیکھیے تو صد فی صد یہی نظر آئے گا۔ہر شے کو ایک نئی اعلیٰ تر بقا اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ فنا کی منزل سے گزر جائے۔قانون ارتقا کی ساری کائنات اسی اصول میں چھپی ہوئی ہے۔ابتدائی گیسوں سے لے کر ''امیبا'' تک اور ''امیبا'' سے لے کر انسانی مخلوق تک ہر درجے کو نئی بقا اسی وقت ملی جب اس نے اپنے پچھلے کو فنا کے حوالے کر دیا ہو۔ایک تخم جب اپنے آپ کو فنا کرتا ہے تو شجر بار آور کا وجود حاصل کرتا ہے۔بیج اگر اپنے آپ کو فنا نہ کرے تو اسے نئی بقا نہیں مل سکتی۔بلکہ وہ اسی طرح پڑا رہے گا اور آخر کار کوئی نئی بقا حاصل کیے بغیر معدوم ہو جائے گا۔پس دنیا فنا نہیں، یہی اصل بقا ہے اور پس انداز کر لینا بہ ظاہر بقا لیکن درحقیقت فنا ہے۔یہی ہے وہ حقیقت اور وہ نئی قدر جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

قدرت نے اس کائنات کا جو نظام بنایا ہے اس کا بھی منشاء یہی ہے کہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کا اکتناز نہ کیا جائے بلکہ ضرورت مندوں میں اسے پھیلا دیا جائے۔گوشت رکھ چھوڑیے تھوڑی دیر میں خراب ہو جائے گا۔غلہ رکھیے گھن لگ جائے گا۔کپڑے رکھیے کیڑے چاٹ جائیں گے (کپڑے اور کیڑے میں ایک ہی نقطے کا فرق ہے) ساز و سامان اکٹھا کیجیے سیلاب بہا لے

جائے گا۔

قیمتی اشیاء رکھیے، چوری ہوگی یا ڈاکے پڑیں گے۔ جائیداد اور بینک بیلنس پیدا کیجئے، کوئی وارث مار ڈالے گا۔ غرض قدرت کا منشا بھی یہی ہوتا ہے کہ نہ اکتناز کیا جائے نہ احتکار ہو۔ جو کچھ آئے وہ چلتی پھرتی چھاؤں کی طرح گردش میں رہے۔ یہ گردش انفاق کرنے یعنی خرچ کرنے اور دینے ہی سے قائم رہ سکتی ہے اور دنیا فنا نہیں عین بقا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ پوری آبادی میں صرف چند آدمی اس اصول پر عمل کریں تو کوئی خاطر خواہ مقصدِ بقا حاصل نہیں ہوگا۔ ضرورت ایسے نظام کی ہے جس کے سارے افراد اس عمل میں ہم آہنگ ہو جائیں۔ اگر ایک گاؤں میں سیلاب آ رہا ہے اور دو تین آدمی مل کر اپنے سامنے کا چند فٹ لمبا بند باندھ لیں تو سیلاب کا خطرہ ٹل نہیں سکتا۔ اِس کیلئے پوری بستی کو تعاون کرنا پڑے گا اور پورا بند باندھنا پڑے گا۔ قرآن پاک پورے نظام معاشرہ کی بنیاد ''**انفقوا**'' (خرچ کرو) پر رکھتا ہے اور عام طور پر موجودہ نظام کہتا ہے کہ Save (جمع کرو، پس انداز کرو)۔ دونوں اصولوں میں تناقض ہے۔ لیکن کیا کیا جائے؟ قدریں بدلی ہی نہیں اُلٹ گئی ہیں۔

گلدستہ ھدایت

(مرسلہ۔ نادیہ طالب توحیدی)

1۔ لوگوں کی ضرورتوں کا تم سے وابستہ ہونا تم پر اللہ کی عنایت ہے۔

2۔ جب گناہوں کے باوجود رب العزت کی نعمتیں مسلسل تمہیں ملتی رہیں تو ہوشیار ہو جانا کہ تمہارا حساب قریب اور سخت ترین ہے۔

3۔ اختیار طاقت اور دولت ملنے پر لوگ بدلتے نہیں بلکہ بے نقاب ہوتے ہیں۔

4۔ اگر اپنی روحانی طاقت کا اندازہ کرنا چاہتے ہو تو اپنی برداشت کا امتحان لو۔

5۔ جو شخص کل بھی خوش رہنے کی تلاش میں ہوگا وہ اپنا آج بھی غمگین کر دے گا۔ جو آج ہے۔ وہ حاصل عمر ہے کل کس نے دیکھا ہے۔

دین اور عبادت

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کا دین

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر بہت بڑا احسان فرمایا جو حضور نبی کریم رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کیلئے اپنا رسول بنا کر بھیجا اور ان پر اپنی آخری کتاب قرآن کریم نازل فرمائی اور اسے ایک مکمل ضابطہ حیات قرار دیا تا کہ وہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے اِس آئین کے تحت بسر کر کے دُنیا و آخرت میں کامران و سُرخرو ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کائناتی حقائق کی بنیاد پر جو اندازِ فکر اور نظام حیات پیش کرتی ہے۔ اس کا نام اللہ کا دین ہے۔ اب پوری انسانیت کی فلاح کا انحصار اس نظام کو قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کی قیادت و سیادت کے سامنے اپنا سر جھکا دینے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَا م** یعنی اللہ کے ہاں فرمانبرداری اور گردنوں کو جھکا دینا ہی اصل دین ہے اور اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا کہ **اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً** یعنی جزوی طور پر نہیں بلکہ پورے کے پورے اسلام یعنی اطاعت و فرماں برداری میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ نظام حیات کوئی سا بھی ہو جب تک اپنی تمام جزئیات سمیت نافذ نہ کیا جائے۔ مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے دین اسلام بھی اپنے مزاج کے لحاظ سے کسی دوسرے نظام کی پیوند کاری اور مداخلت قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا دین اپنی اصل اور مکمل صورت میں ہمارے پاس موجود ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی توضیح و تشریح اور آپ کے سکھائے ہوئے طریقوں کے مطابق عمل کرنا ہی فلاح دارین کی ضمانت ہے۔

اولاد آدم سے بے کراں محبت کرنے والے رحمٰن و رحیم اللہ کا عطا کردہ یہ آئین اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار ہے۔ اس میں جہاں انسانوں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے اندر پوشیدہ تعمیر و تسخیر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر عقل و فکر اور سائنسی علوم کے دائرُوں کو وسیع تر کرتے چلے جائیں وہاں انہیں اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنے اور اس کی رضا حاصل

کرنے کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔کیونکہ ان دونوں کو یکجا کرنے ہی سے خلافت ارضی کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔

فقر قرآں اختلاط ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

قرآن کا فقر ذکر اور فکر دونوں کو اکٹھا رکھنے کا حکم دیتا ہے۔کیونکہ فکر کی قوتیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی راہنمائی کے بغیر اپنے کمال تک پہنچ ہی نہیں سکتیں۔اللہ تعالیٰ کا دین حضور محسن انسانیت ﷺ کی قیادت میں ایک عالمگیر معاشرہ یا امت تشکیل دینا چاہتا ہے جس کی بنیاد گذشتہ امتوں کی طرح رنگ، نسل، زبان اور یا وطن کی بجائے چند ازلی وابدی حقائق کو تسلیم کرنے پر رکھی گئی ہے اور وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عبدیت ورسالت، قرآن کریم کی ہدایت وحقانیت اور حیات آخرت پر ایمان لانا۔کسی قوم کی تشکیل کے لئے عقیدہ وایمان کو بنیاد بنانے کا یہ بے مثال تجربہ پہلی مرتبہ سامنے آیا۔اس طرح رنگ، وطن اور نسل پرستی کی عصبیت سے نجات ملی اور انسانی فکر کے لئے حریت اور اس کے جان وآبرو کے احترام کی راہیں ہموار ہوئیں۔اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے وحی الٰہی کی ہدایت کے مطابق بڑی محنت سے ان اصولوں کی بنیاد پر ایک جماعت کھڑی کی جو اللہ تعالیٰ کے غلاموں، شمع رسالت کے پروانوں اور فکر آخرت سے سرشار مخلص انسانوں پر مشتمل اور ہر لحاظ سے اللہ کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰه صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ٥
(البقرۃ۔138)

''اللہ کے رنگ کا کیا کہنا اور اللہ کے رنگ سے اچھا کس کا رنگ ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں''۔

اس انسانی جماعت نے اللہ کی بندگی یعنی غلامی میں داخل ہو کر اس کے دین کو پوری زندگی کے نظام پر غالب کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے خیر الامت یعنی بہترین قوم اور حزب اللہ یعنی اللہ کے گروہ کا قابل رشک لقب عطا فرمایا۔جب اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے زمام اقتدار ان کے ہاتھوں میں آئی تو انہوں نے دوسری قوموں کو اپنا غلام نہیں بنایا بلکہ انہیں ظالم اور جابر انسانوں کی

غلامی سے آزادی دلا کر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی برکتوں سے آشنا کیا۔ ان کی بستیوں کو پامال کرنے کی بجائے ان کے مال وجان، عزت وآبرو اور عقائد و مذاہب کے محافظ بن گئے۔ حکومت الٰہیہ کی رعایا کے تمام افراد کی بنیادی ضروریات کی کفالت خلافت اسلامیہ کی ذمہ داری قرار پائی۔ اس طرح انسانیت حقیقی امن وامان، صلح وآشتی اور خوشحالی سے آشنا ہوئی۔ بقول علامہ اقبالؒ

مرد حق از کس نہ گیرد رنگ و بو
مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو
ہر زماں اندر تنش جانے دگر
ہر زماں اورا چوں حق شانے دگر
بندہ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام اورا، نہ او کس را غلام

''مرد حق کسی دوسرے کا اثر نہیں لیتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے تو نئے حالات کے مطابق اس کے جسم کو نئی روح عطا کی جاتی ہے۔ جس طرح اللہ کے بارے میں **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ** آیا ہے اسی طرح مومن بھی ہر زمانے میں نئی آن وشان سے ابھر کر اپنے وقت کے مخصوص مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرتا چلا جاتا ہے۔ بندہ مومن کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے اور وہ اس دنیا میں کسی صلہ و مقام کا خواہشمند نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ نہ تو کسی کا غلام بنتا ہے اور نہ ہی خود کسی کو غلام بناتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے آئین کے تحت قائم ہونے والے نظام میں زندگی کے ہر شعبے پر اللہ کی حکمرانی قائم کی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی تمام نعمتیں دنیا کے تمام انسانوں کی دسترس میں آجائیں اور ظلم واستحصال کی کوئی صورت کہیں بھی باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ میں تعلیم و تربیت، صنعت وتجارت، تقسیم وراثت، سیاست وعدالت، معیشت ومعاشرت الغرض حیات ارضی کا پورا نظام اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق رواں دواں تھا اور ہر طرف اخوت ومساوات، مودت ومحبت خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔

عظیم الشان ادارے

انسانی زندگی کے دو اہم پہلو اس کی معاشرت اور معیشت کے

وسیع میدان ہیں۔ان دونوں کو سراپا رحمت و برکت بنانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں بنیادی اہمیت کے حامل دو عظیم الشان ادارے قائم فرما دیئے جو اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہیں۔اقامت صلوٰۃ جہاں افراد کیلئے اطمینان قلب، روحانی معراج، تعلق باللہ کی مضبوطی، اصلاح کردار اور مقصود حیات کو شعور میں ہمہ وقت تازہ رکھنے کا ذریعہ ہے وہاں رب العالمین کی حاکمیت کے اظہار کیلئے روزانہ پنج وقتہ تقریب بھی ہے۔جونہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر دی جانے والی اذان کی آواز بلند ہوتی ہے تو دنیا بھر کے مسلمان اللہ تعالیٰ کے گھروں یعنی مساجد میں حاضری کیلئے لپکے چلے آتے ہیں۔مساجد کیا ہیں؟ یہ اُمت مسلمہ کی مرکزی اسمبلی مسجد الحرام کی مقامی شاخیں اور اللہ کی حاکمیت کی علامت ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجن۔18)

''اور یہ مسجدیں اللہ کیلئے ہیں اس لئے ان میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو ہرگز نہ پکارو''۔

اقامت صلوٰۃ کی ترکیب وترتیب، اس میں شامل افراد کی حرکات وسکنات اور اس میں دہرائی جانے والی آیات وتسبیحات سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و ربوبیت اور انسانوں کی عاجزی اور عبودیت کا نہایت عمدہ اظہار ہوتا ہے۔اگر چہ نماز کی قیادت کیلئے ایک امام ہوتا ہے لیکن وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار اسی طرح کرتا ہے جس طرح دوسرے کرتے ہیں۔مسجد میں مکمل اخوت ومساوات کے اظہار کیلئے کسی بھی شخص کیلئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہوتی۔کیونکہ دین اسلام وحدت الوہیت کے ساتھ وحدت انسانیت کا بھی علمبردار ہے۔وہ انسانوں کو فرقوں اور درجوں میں تقسیم کرنے کی بجائے انہیں رشتہ اخوت میں پرونا چاہتا ہے۔اللہ کی مساجد میں اس اصول کی عملی تربیت دی جاتی ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے روا ہے اور کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر حکمرانی کا حق حاصل نہیں ہے۔قرآن مجید کی تعلیم آقائی اور خواجگی کی خواہش کو نیست و نابود کرنا چاہتی ہے کیونکہ یہ شوق ہی زمین پر فساد پھیلانے کا اصل سبب بنتا ہے۔اس کے برعکس یہ تعلیم بے سہاروں اور کمزوروں کی دستگیری اور اعانت کو یقینی بناتی ہے۔عملی زندگی میں اللہ کی حاکمیت کے تحت جو حکومت قائم ہوتی ہے اس کی امارت کا منصب عوام کے مشورے سے ملت کے سب سے متقی فرد کے سپرد کیا جاتا ہے۔عام مسلمانوں سے بڑھ کر اس کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا۔وہ انہی کا سا لباس پہنتا، انہی کے درمیان رہتا اور انہی کی طرح عدالت کے سامنے

جوابدہ ہوتا ہے۔اسے مسلمانوں کے اوسط گھرانے کے اخراجات کے برابر وظیفہ ملتا ہے۔وہ پانچوں وقت اپنے بھائیوں کے ساتھ نماز ادا کرتا اور جمعے کا خطبہ دیتا ہے۔چونکہ یہ اللہ کے بندوں کی حکومت ہوتی ہے اس لئے شاہی شان وشوکت اور رعب و دبدبہ کی بجائے فقر وغناء اور خدمت خلق کی مظہر ہوتی ہے۔قرآنی تعلیم اور اس کے نظام حیات کی برکتوں کے بارے میں شاعر مشرقؒ نے فرمایا۔

چیست قرآں خواجہ را پیغام مرگ
دستگیر بندہ بے ساز و برگ
کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست

''قرآن کیا ہے؟ حاکموں اور آقاؤں کیلئے یہ موت کا پیغام ہے۔اور مال ومنال سے محروم یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور ضعیفوں کیلئے خوشحالی کی نوید ہے۔اسلام کے نظام رحمت میں ہر انسان کی ضروریات کی کفالت کا ایسا اجتماعی نظام ہے کہ مانگنے والا یا محروم نظر ہی نہیں آتا اور اکرام انسانیت اور اخوت کی جہانگیری کا یہ عالم ہے کہ اس میں نہ تو کوئی غلام ہوتا ہے نہ ہی کوئی آقا۔نہ کوئی حاکم ہوتا ہے نہ ہی محکوم۔بلکہ سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں''۔

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کا اصل ہدف انسانوں کو ایمان کی دعوت دے کر رضائے الٰہی کی راہ پر لگانا ہے۔اس لئے ان کی مادی ضروریات کی کفالت کے کام کو مقصود بالذات نہ سمجھتے ہوئے بھی اسے نہایت اہم قرار دیتا ہے تاکہ وہ ان چھوٹے چھوٹے تفکرات سے آزاد ہو کر پورے اطمینان کے ساتھ اللہ کی محبت کے حصول کیلئے جد وجہد کر سکیں۔اسلامی سلطنت کا امیر،صوبوں کے گورنر اور شہروں کے والی انہیں لوگوں کو مقرر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور فکر آخرت سے سرشار اور خدمت خلق کو رضائے الٰہی کا ذریعہ جاننے والے ہوتے ہیں۔گورنروں کے ذہنوں سے قدیم طرز حکمرانی والی سوچ مٹا کر انہیں خدام قوم بنانے کیلئے حضرت عمرؓ ان سے یہ تحریری عہد لیا کرتے تھے کہ تمہارے در پر کوئی دربان کھڑا نہیں ہوگا۔تم ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کروگے، باریک کپڑا نہیں پہنو گے اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھاؤ گے۔اس طرح

انہیں مزید حقوق دینے کی بجائے ان پر کڑی پابندیاں عائد کر دی جاتی تھیں کیونکہ حکومت کا مقصد خواص کو نوازنے کی بجائے پوری اُمت کے مفادات کا تحفظ کرنا ہوتا تھا۔اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کے نظام نے حقیقی اخوت و مساوات، عدل و انصاف اور اکرام انسانیت کا جو نقشہ تاریخ انسانی میں رقم کیا اس کی مثال زمانہ قدیم کی بادشاہت اور نہ ہی جدید جمہوریت میں نظر آ سکتی ہے کیونکہ ان دونوں کا مقصود خلق خدا کا استحصال اور کمزوروں کا خون چوسنا ہوتا ہے۔ اقامت صلوٰۃ کے بعد اس سے ایک ہی درجہ نیچے زکوٰۃ کا رکن ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ایمان کے بعد صرف دو اعمال صالحہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ایک نماز کا دوسرے زکوٰۃ کا۔کیونکہ ان دونوں کے قیام پر ہی پورے دین کا انحصار ہے۔اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کے حصول کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ انسان کا دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا کی محبت ہی ہر برائی کی جڑ ہے اور دنیا کی علامت مال و دولت اور سونا چاندی ہیں۔اس لئے انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا انسان کو بخل، لالچ اور ہوس سے بچالیتا ہے۔اس طرح اسلام کا دوسرا اہم رُکن زکوٰۃ حُبِّ دنیا کی جڑ کاٹنے کا نہایت ہی موثر طریقہ ہے۔مومنین کی باطنی طہارت کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی مد میں اکٹھی ہونے والی دولت سے اسلامی نظام کا وہ عدیم المثال فلاحی ادارہ وجود میں آ جاتا ہے جس کے ذریعے اُمت کے حاجتمند افراد کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِo

(المعارج 25-24)

''اور دولت مندوں کے اموال میں سائلین اور محرومین کا مقرر حق بھی شامل ہے''۔

اس کی وضاحت حضور ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو انکے مالداروں سے لی جائے گی اور ان میں کے حاجتمندوں کو دے دی جائے گی۔اسلامی نظام معیشت میں رزق کی تقسیم کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ حیوانوں کی ضروریات کی مناسب دیکھ بھال کرنے کی ہدایات بھی موجود ہیں۔ایسا کیوں نہ کیا جاتا جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے۔اَلْحُبُّ اَسَاسُ دِيْنِىْ ''یعنی میرے دین کی اساس محبت ہے''،چنانچہ منقول ہے کہ خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''عمر! تم پر

بڑی بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے۔ اگر دریائے فرات کے کنارے کسی بکری کا بچہ بھی بھوکا رہ گیا تو اس کی پرسش تم سے ہوگی''۔ جس طرح اسلام کے سیاسی نظام میں حاکمیت کی بجائے خلافت و امارت کا نظام ہے اسی طرح معاشی نظام کا ہدف یہ ہے کہ بنیادی ضروریات کی محتاجی اور محرومی کا یکسر خاتمہ کر دیا جائے۔

کس نباشد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است و بس

''اسلامی شریعت کا معاشی نظام صرف ایک نکتہ کے گرد گھومتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے بلکہ حکومتی ادارہ کا فرض ہے کہ مساکین کے حصے کا رزق ان کا حق سمجھ کر باعزت طریقے سے ان تک خود پہنچائے''۔ اللہ تعالیٰ کے دین کے تحت مسلمانوں ہی نے دنیا میں پہلی فلاحی مملکت قائم کی جہاں پیدا ہوتے ہی بچے کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ جہاں حاجت مندوں اور ضعیفوں کی سرکاری خرچ سے کفالت کی جاتی اور طالب علموں کو تعلیم اور رہائش کی سہولتیں مفت فراہم کی جاتیں۔ ایک مغربی محقق نے اسلامی نظام کی برکتوں کے بارے میں لکھا کہ ''اسلامی دنیا میں کسی بچے کا یتیم ہو جانا ہی اس کے لئے دنیا بھر کی نعمتوں کے حصول کی ضمانت بن جاتا تھا۔ کیونکہ حکومت کے علاوہ معاشرہ کے مخیّر افراد بھی یہ کوشش کرتے تھے کہ یتیم کو کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو''۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کا ذکر آیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیاری مخلوق کو سیاسی اور معاشی غلامی سے نجات دلا کر ان کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کی جائیں اور اُخروی کامیابی کیلئے انہیں حکمت اور پیاری پیاری نصیحتوں کے ذریعے ایمان کی دعوت دی جائے تا کہ وہ زندگی کا اصل مقصد حاصل کر سکے۔ انسانیت کی مادی خدمت اور روحانی رہنمائی کرنا ہی اللہ تعالیٰ کی مدد کرنا ہے کیونکہ اس سے آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی کا مشن کامیاب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کو یہ فرما کر مشروط کر دیا ہے کہ ''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا''۔ (محمد۔7)

جب تک اُمت مسلمہ حزب اللہ بن کر اللہ تعالیٰ کی منشاء و مرضی کے مطابق انسانیت کی اصلاح و فلاح کی راہ پر گامزن رہی تو اللہ کی تائید و نصرت سے اقوام عالم کی قیادت و سیادت اسی کے ہاتھ میں رہی اور دوسرا کوئی نظام حیات ان کے مقابلے میں سر اُٹھانے کی ہمت نہ کر سکا۔

پاس انفاس کی اہمیت

(غلام مرتضیٰ توحیدی)

پاس انفاس کے لفظی معنی سانسوں کا خیال رکھنا۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ فرماتے ہیں کہ سلوک کے صرف دو حصے ہیں ایک تو ذکر اور دوسرا تزکیہ اخلاق۔ذکر میں نماز اور تلاوت قرآن بھی شامل ہے لیکن یہ دو چیزیں تو ہر مسلمان کرتا ہی ہے۔فرماتے ہیں کہ سالک کو ان کے علاوہ کچھ اور بھی ذکر کرنا پڑتا ہے اور وہ ذکر دو 2 طرح کا ہے ایک پاس انفاس اور دوسرا نفی اثبات۔پاس انفاس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی سانس اللہ کی یاد سے خالی نہ رہے ہر سانس جو اندر جائے یا باہر آئے اس سے لفظ اللہ اس طرح کہو کہ دل کہے اور کان سنیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ رحمٰن کی آخری آیت میں فرمایا **تبارك اسم ربك ذی الجلال والاکرام** ٥ترجمہ! ''اے محمدﷺ تمہارا پروردگار جو صاحب جلال وعظمت ہے اُس کا نام بڑا بابرکت ہے''۔

سورہ واقعہ میں فرمایا **فسبح باسم ربك العظیم** ٥ترجمہ! ''تو تم اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرو'' یہ آیت سورہ واقعہ کے آخر میں دوبارہ فرمائی۔

قبلہ انصاری صاحبؒ، مولانا کریم الدین علیہ رحمۃ سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مولانا صاحب نے فرمایا کہ ''تم کو ایسا بزرگ مل جائے گا جس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کیلئے لازمی ہوتی ہیں''۔

قبلہ انصاری صاحب فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے بڑی بےصبری اور عاجزی سے دریافت کیا کہ وہ باتیں کون کونسی ہیں جن سے یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے تو مولانا نے فرمایا کہ صرف دو باتیں، پہلی بات تو تزکیہ اخلاق ہے اور دوسری بات یہ کہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ جیسا کہ سورہ مزمل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود فرمایا **واذکر اِسم ربك وتبتل الیه تبتیلاً** ترجمہ! ''اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اُس کی طرف متوجہ ہو جاؤ''۔

ذاتِ باری تعالیٰ کا نام رب ایک صفاتی نام ہے جب کہ ذاتی نام اللہ ہی ہے۔تو میں نے جو سورہ رحمٰن کی آخری آیت کا حوالہ دیا ہے اُس میں فرمایا کہ آپ کا پروردگار جو صاحب عظمت و جلال ہے۔اُس کا نام بڑا بابرکت ہے۔اور سورہ واقعہ کی آیت کا ترجمہ ''تو تم اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرو''اور سورہ مزمل کی آیت کا ترجمہ ''اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اُسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ''۔تو بات بہت واضح ہو گئی کہ نام بھی اُسی کا بڑا بابرکت ہے۔تسبیح بھی اُسی کے نام کی، ذکر بھی اُسی کے نام کا اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اُسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ''۔تو بھائیو وہ کیا چیز ہے وہ کیا نام ہے وہ اللہ ہی ہے ہمیں اُسی کی طرف متوجہ ہونا ہے۔اسی سے سب کچھ مانگنا ہے اور اُسی کا دھیان رکھنا ہے۔

پاس انفاس کے بارے میں تو بڑی صاف نشانیاں قرآن مجید میں موجود ہیں سورۃ نساء کی آیت نمبر 103 کا ترجمہ ہے۔''پس جب تم نماز پڑھ لو تو اللہ کو یاد کرو، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں کے بل''اِس کے علاوہ سورہ الاعراف کی آیت 205 کا ترجمہ ہے ''اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کر، عاجزی سے اور ڈر سے اور کم آواز سے بات میں اور صبح کو اور شام کو اور مت ہو غافلوں میں سے''۔

تو اولیائے کرام نے اِنہی آیات سے یہ نتیجہ نکالا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت ہی یاد کرنا چاہیے اور اللہ کی یاد سے ہرگز غافل نہیں ہونا چاہیے اور اس کو یاد کرنے کا طریقہ پاس انفاس ہی بتایا۔ ہمارے حلقہ کے بیعت شدہ بہت سے بھائی پاس انفاس کرتے ہیں اگر چہ شروع میں سانسوں کا خیال رکھنا تھوڑا مشکل ہے لیکن جب آدمی شروع کرتا ہے تو تھوڑے عرصہ میں اُس کیلئے آسانی پیدا ہو جاتی ہے تو میرے بھائیو آپ یقین کریں کہ اُسے احساس ہونے لگتا ہے کہ اُس کے جسم کے مختلف اعضا بھی اُس کے ذکر میں شامل ہو جاتے ہیں تو کیا یہ اللہ کا فضل نہیں کہ ہم اُس آیت کی تشریح بن جاتے ہیں جس میں کہا گیا کہ ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''۔جب ہم ذکر پاس انفاس کریں تو ہمیں شروع میں اس طرح ذکر کرنا چاہیے کہ جب بھی دل اللہ کہے تو محبت کے ساتھ اللہ کا خیال بھی دل میں آئے۔ذکر پاس انفاس کے علاوہ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے، سانس ہی وہ واحد چیز ہے کہ جب تک انسان زندہ ہے اُس کے ساتھ ہے۔اُس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہم اللہ کو یاد رکھ سکتے ہیں۔

نفی اثبات فوائد اور فضائل

کلمہ **لا الٰہ الا اللّٰہ** کو ہی نفی اثبات کہا جاتا ہے۔ یہ کلمہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اگر آپ دیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے جو رسول مختلف قوموں میں بھیجے تو اُن کو جو کلمہ دیا گیا اُس سے پہلے **لا الٰہ الا اللّٰہ** کہا گیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کیلئے **اٰدم صفی اللّٰہ، نوح نجی اللّٰہ، ابراھیم خلیل اللّٰہ، اسماعیل ذبیح اللّٰہ، موسیٰ کلیم اللّٰہ، دواؤد خلیفۃ اللّٰہ، عیسیٰ روح اللّٰہ** اور **محمد رسول اللّٰہ** ﷺ۔

لا الٰہ کے معنی ہیں ''کوئی معبود نہیں ہے'' اس کو نفی کہتے ہیں اور **الا اللّٰہ** کے معنی ہیں ''لیکن اللہ'' یہ اثبات ہوا، بزرگان دین نے نفی اثبات کا ذکر کرنے کیلئے اپنے مریدین پر کافی زور دیا ہے۔ اِسی لئے کہا گیا ہے کہ افضل الذکر **لا الٰہ الا اللّٰہ**۔ نفی اثبات کا ذکر کرتے ہوئے جب **لا الٰہ** کہا جائے تو ذہن میں یہ تصور رہو کہ کوئی چیز بھی موجود نہیں اور **الا اللّٰہ** کی ضرب دل پر لگاؤ تو یہ خیال ہو کہ صرف اللہ ہی موجود ہے۔ اگر ہم قبلہ انصاری صاحبؒ کے خطبات کو دل سے پڑھیں تو اُنہوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس ذکر کی غرض و غایت بیان کی ہے۔ قبلہ انصاری صاحبؒ نے جو ہمیں ذکر نفی اثبات کا طریقہ بتایا ہے اُس میں فرماتے ہیں کہ یہ دراصل نفی اور اثبات کی مشق کرانے کیلئے کرایا جاتا ہے۔ اِس لئے جب ذاکر **لا الٰہ** پر دو چار سیکنڈ ٹھہرے گا نہیں، نفی کی مشق نہ ہو سکے گی اِسی طرح جب تک **الا اللّٰہ** پر دو 2 چار سیکنڈ ٹھہرے گا نہیں اثبات کی عادت نہ پڑے گی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تک نفی کی مشق کافی نہ ہو عالم روحانی سے دماغ کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ نفی کی کیفیت نہ ہو تو انسان کے پانچوں حواس ظاہری اس کا تعلق دنیا اور ماحول سے قائم رکھتے ہیں۔ لیکن نفی کی حالت میں یہ حواس معطل ہو جاتے ہیں اور جب یہ حواس معطل ہو جائیں تو لاشعور بیدار ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ لاشعور اِس مادی دنیا اور روحانی دنیا کے بیچ میں ایک برزخ ہے جب حواس ظاہری معطل اور رلاشعور بیدار ہو جاتا ہے تو سالک کا تعلق مادی عالم سے منقطع ہو کر روحانی عالم سے جڑ جاتا ہے نفی کی زیادہ مشق کرنے کیلئے ذکر نفی اثبات کے علاوہ اور اوقات میں بھی کوشش کرنا چاہیے۔ مثلاً دن میں کسی وقت جب مکمل

تنہائی ہو یا رات کو سوتے وقت دماغ سے تمام خیالات نکال کر نفی کی حالت میں کچھ دیر بیٹھے رہنا یا سو جانا بہت مفید ہے۔ یہ مشق بہت احتیاط سے کرنا چاہیے اور نفی کے وقفوں کو آہستہ آہستہ بڑھانا چاہیے۔

اثبات کی مثال یہ ہے کہ کسی سفید کاغذ پر صرف ایک نقطہ لگا دیا جائے اب جو کوئی اس نقطہ کو دیکھے گا اس کی ساری توجہ اِسی کی طرف مرکوز رہے گی۔ اِسی طرح جب سالک کو اچھی طرح نفی کرنے کی عادت ہو جائے تو وہ اپنی قوت ارادی سے اِس نفی کے عالم میں اللہ کا تصور دماغ میں قائم کرے۔ اِس طرح تصور کرنے سے سالک کو خدا سے جو رابطہ پیدا ہو گا وہ دوسری کسی ترکیب سے نہیں ہو سکتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اصحاب رسول ﷺ چلتے پھرتے ہر وقت دل میں کلمہ پڑھتے رہتے تھے۔ اور آپ ﷺ کی صحبت سے اُنہیں وہ کچھ میسر آتا جو کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ اِس ذکر کا مقصد یہ ہے کہ قلب جاگ اُٹھے، اِس میں حرارت اور سوز و گداز پیدا ہو اور نفی اثبات کی مشق سے دماغ آئندہ فنا اور بقا کی کیفیات کو محسوس کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔

قبلہ انصاری صاحبؒ جب مولانا کریم الدین احمدؒ سے بیعت ہوئے تو انصاری صاحبؒ نے مولانا صاحب سے پوچھا کہ تزکیہ اخلاق کیلئے کیا کرنا چاہیے تو مولانا صاحب نے پانچ باتوں کے بارے میں فرمایا تو اُن میں پہلی بات تو یہ کہ پانچ وقت کی نماز کے پابند رہو اور دوسری بات یہ کہ "ذکر جتنا بھی زیادہ ہو سکے کرو۔ ذکر سے مُراد یہ ہے کہ زبان سے اللہ اللہ کہو اور دل میں اُس کی یاد مستقل طور پر قائم کر لو"۔

اثبات کرنے کا جو آسان طریقہ ہمیں بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لفظ اللہ کا تصور کیا جائے۔ اِس تصور کرنے سے اللہ کی یاد مستقل طور پر آپکے دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن حکیم کا معجزانہ حسابی نظام

انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

اللہ کے نام کا معجزہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسم ذاتی، اللہ، قرآن کریم میں 2699 دفعہ آتا ہے عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی اِس تعداد کو اُنیس کا ہندسہ تقسیم نہیں کرسکتا بلکہ ایک باقی بچ جاتا ہے۔ یعنی 19x142+1=2699 اور جن مقامات کا اللہ تعالیٰ کے نام سے تعلق ہے وہ ہمیشہ 19 کا حاصل ضرب جمع 1 ہی نکلتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

بات سیدھی سی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان پاک کسی حساب کی پابند ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کا مجموعہ ایک کم ہوتا تو یہ تعداد 19 سے تقسیم ہو جاتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی احدیت کے خلاف ہوتا۔ اِس لئے ایک بہر صورت باقی بچنا چاہیے کہ وہ ہر حالت میں واحد یعنی ایک ہے۔ لیکن بدقسمت راشد خلیفہ کی سمجھ یہ میں بات نہ آئی وہ اپنے فارمولا کو اللہ سے بڑا سمجھتا تھا۔ شیطان نے اِسے اس طرف لگا دیا کہ قرآن کریم میں غلطی ہوئی ہے، یعنی ایک نام اللہ کا زیادہ ہے۔ چنانچہ اِس نے نبی پاک ﷺ سے حسد کی بنا پر سورۃ توبہ کی آخری دو آیات نمبر 127,128 کو قرآن کریم سے خارج کر دیا اس طرح اللہ کا نام مبارک بھی نکل گیا اور کل تکرار 2698 رہ گئی جو ۱۹ کی حاصل ضرب تھی وہ خوش تھا کہ اسکا فارمولا صحیح ہو گیا لیکن راشد خلیفہ کی قسمت پھوٹ گئی وہ جہنمی ہو گیا۔ (استغفر اللہ)

+9x2x71=19x142+1=2699

لیکن اِس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ وہ تمام آیات جن میں اللہ سبحانہ کا نام مبارک آیا ہے اگر ان آیات کے نمبروں کو جمع کریں تو مجموعہ 118124 ہے اور وہ بھی 19 کا حاصل ضرب جمع ایک ہے یعنی 118124=19x6217+1۔ سبحان اللہ کیا معجزہ ہے۔ کہیں بھی دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ سے متعلق حساب ۱۹ سے تقسیم نہیں ہو سکا بلکہ ہمیشہ ایک باقی ہے۔ بیشک

قل ھو اللہ احدo اللہ الصمد-----

سورتوں کا اعجاز

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ کلام اللہ کی 114 سورتیں تو 19 کا حاصل ضرب ہیں ہی لیکن ہوشربا بات یہ ہے کہ تمام سورتوں کا مجموعہ عدد (1+2+3+4.....+114=6555) یعنی سورتوں کے ترتیبی نمبروں کو 1 سے 114 تک جمع کرتے جائیں تو کل ٹوٹل 6555 بنتا ہے جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔ 19x234=6555۔ یوں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی 114 سورتوں پر حسابی مہر ثبت کردی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کوئی ایک بھی سورت کم یا زیادہ ہے۔

لفظ قرآن کا اعجاز

قرآن حکیم کا اپنا نام مبارک "قرآن" ساری کتاب میں 58 دفعہ آیا ہے۔ لیکن سورۃ یونس کی آیت نمبر 15 میں جس لفظ قرآن کا ذکر آیا ہے وہ "**بقرآن غیر ھذا**" یعنی "اس قرآن کے علاوہ" کے الفاظ کے ساتھ آیا ہے یعنی اس لفظ قرآن کو ہم اصل قرآن کے حساب سے غیر کریں گے یعنی مستثنیٰ۔ یوں کلام اللہ کے قرآن کے اعداد 57 ہی ہیں جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہیں۔ (57=19x3)

لا الہ الا اللہ کا حیرت انگیز معجزہ

لا الہ الا اللہ کلمہ شہادت ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ "**یـــا ایھـــا الناس قولو لا الہ الا اللہ تفلحوا**" یعنی انسانی فلاح اس کلمہ کے اندر پنہاں ہے۔ اپنے معانی کی بلندی کے لحاظ سے **لا الــہ الا الـلّٰــہ** ایک معجزانہ کلام ہے انتہائی پراثر اور طاقتور۔ قرآن کریم میں اسکی تکرار جس تعداد اور طریقہ سے ہوئی ہے وہ بھی ایک عجیب اعجاز والی بات ہے۔ یہ عظیم کلمہ قرآن پاک کی ٹھیک 19 سورتوں میں آیا ہے۔ پہلی دفعہ سورۃ بقرہ کی آیت مبارک 163 میں آیا اور آخری دفعہ یہ سورۃ (مزمل) کی آیت مبارک 9 میں ہے۔ نہایت ہی حیران کن بات یہ ہے کہ جن سورتوں میں کلمہ شہادت آیا ہے ان کے ترتیبی نمبروں اور متعلقہ آیات کے اعداد کی جمع بھی 19 کا ہی حاصل ضرب ہے۔ یہ پیچیدہ حساب مندرجہ ذیل جدول میں دکھایا گیا ہے۔ اِس کے سامنے عقل بے بس ہے کہ اِس قدر پیچیدہ حساب کیسے ممکن ہوا۔ لیکن اگر حساب رکھنے والی ذات پاک مالک کون و مکاں ہو تو پھر یہ قابل سمجھ بات ہو جاتی ہے۔

جدول نمبرا
قرآن کریم میں کلمہ شہادت حسابی نظام

اب آپ ان تینوں ہندسوں 29,1592,507 کو جمع کریں تو یہ 2128 بنتا ہے جو کہ پھر سے 19 کا حاصل ضرب ہے یعنی 19x112=2128 سبحان اللہ حساب رکھنے والے نے کیا کمال حساب رکھا ہے۔

صلوٰۃ کے لفظ کا معجزہ

لفظ صلوٰۃ جو کہ اسلام کا دوسرا استون ہے سارے قرآن حکیم میں 67 دفعہ آیا ہے اب اگر اس میں ہم ان سورتوں کے نمبر اور آیات کے نمبر جن میں لفظ صلوٰۃ آتا ہے سب کو جمع کریں (یعنی ایسا ہی جدول بنائیں جیسا جدول اہے (تو ٹوٹل 4674 بنتا ہے جو کہ ۱۹ کا حاصل ضرب ہے 19x246=4674۔ سبحان اللہ کو تمام اہم ارکان اسلام ۱۹ کے حسابی کلیہ سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

حروف مقطعات کا معجزہ

ابھی تک جو دیکھا گیا ہے۔وہ بھی دماغ کو ہلانے کیلئے کافی ہے لیکن حروف مقطعات کا حسابی نظام تو انسانی عقل کو مبہوت کر کے رکھ دیتا ہے۔شماریات کی سائنس کا یہ ایسا حساب ہے کہ قرآن کریم جیسی کتاب میں اگر انسانی کاوش سے بنانا پڑے تو سینکڑوں سال لگ جائیں گے۔لیکن اسکا تو معاملہ ہی اور ہے۔حروف مقطعات اللہ پاک کے راز ہیں جن کے معانی واضح نہیں۔نبی پاک ﷺ نے بھی اِس کی تشریح نہ فرمائی۔بہر حال قرآن مجید کی 29 سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔ان حروف کی تعداد 14 ہے جو کہ عربی حروف کا نصف ہے اور 14 ہی مرکبات کی شکل میں یہ لکھے گئے ہیں۔کمپیوٹروں کی مدد سے کئے گئے تجزیوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حروف قرآن حکیم کا ایسا لاجواب معجزہ ہے جو اسی کمپیوٹر کے زمانہ میں ہی ظاہر ہو سکتا تھا۔مندرجہ ذیل میں ہم صرف چند ایک سادہ سادہ باتوں کا ذکر کریں گے۔

''اگر ہم 14 حروف مقطعات اِن کے 14 مرکبات اور مقطعات والی 29 سورتوں کے اعداد کو جمع کریں یعنی 14+14+29 تو یہ 57 بنتا ہے جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہے، یہی نمبر قرآن مجید کا ہے اور لفظ مجید بھی 57 دفعہ آیا ہے۔

اگران تمام 29 سورتوں کے ترتیبی نمبروں کو جن کا آغاز حروف مقطعات سے ہوا ہے کو جمع کریں مثلاً (2+3+7.....+50+68) تو یہ حاصل جمع 822 جس میں اگر 14 مقطعات کو بھی جمع کردیں تو مجموعہ 836 بنتا ہے جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہے۔ 19x44=836۔ فارمولا یہ بتاتا ہے کہ مقطعات والی سورتوں کے نمبر خصوصی طور پر مقرر شدہ ہیں۔ ان میں کوئی انسانی دخل نہیں ہے۔

یہی نہیں بلکہ حروف مقطعات والی پہلی سورت نمبر 2 اور آخری سورت نمبر 68 کے درمیان اللہ تعالیٰ نے 38 غیر مقطعات حروف والی سورتیں رکھی ہیں۔ یہ تعداد بھی 19 کا حاصل ضرب ہے۔ 19x2=38۔ اِس سے ثابت ہوا کہ سورتوں کی ترتیب الٰہیہ ہے۔ کسی انسان کیلئے ایسے حساب کے مطابق سوچنا بھی درکنار ہے۔

حروف مقطعات کے متعلق اوپر دی گئی چند باتیں تو صرف ابتدائیہ ہیں۔ اصل معجزہ تو اِن کے اندر ہے جس کے سامنے بڑے سے بڑے دماغ ششدر ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ کسی کتاب میں اس قدر پیچیدہ اور دشوار حساب ڈال دیا گیا جو لاجواب ہے۔ چودہ سو سال پہلے تو کیا آج بھی انسانی ذرائع سے ایسا کرنا ناممکن ہے۔

آیئے ہم صرف سورۃ البقرہ کے مقطعات ال م کے حسابی نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ال م کے جو کچھ بھی معنی ہیں وہ اپنی جگہ پر لیکن ان تین حروف نے دنیا بھر کے علماء، سائنسدانوں اور دانشوروں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت قائم کردی ہے کہ قرآن مجید کی تشکیل، ترتیب اور کلام میں ہرگز ہرگز کوئی انسانی دخل نہیں اور یہ خالق کائنات کا خالص کلام ہے۔ اِس لئے اس کی آیات سے یونہی گزر نہ جائیں بلکہ یہ رب کائنات کے احکامات ہیں۔ کمپیوٹروں کی مدد سے جب تمام قرآن کے ا، ل اور م گنے گئے تو یہ دیکھ کر عقل مبہوت رہ گئی کہ یہ تینوں نمبر 19 کا حاصل ضرب ہے۔ (بحوالہ مقطعات کے حسابی نظام پر راشد خلیفہ کی کتاب "Computer Speaks" پبلشر اسلامک پروڈکشن، سات سو اُنتالیس، ای، سکستھ سٹریٹ، ٹکلسن اے زیڈ ۸۵۷۱۶۔ یو۔ ایس۔ اے)

مقطعاتی سورتوں کا اپنا معجزانہ حسابی نظام

یہاں اِس کی ساری تفصیلات دینے کا موقع نہیں۔ہم یہاں صرف سادہ حروف مقطعات والی چند ایک سورتوں کے حوالہ سے قرآن حکیم کے اِس عظیم اور ششدر کرنے والے حسابی نظام کی کچھ جھلکیاں پیش کر رہے ہیں۔

ا۔ ''ق'' کا معجزہ: قرآن کریم کی سورۃ 42(شوریٰ) کے حروف مقطعات **حٰمٓ، عٓسٓقٓ** ہیں جن میں حرف ''ق'' آتا ہے۔سورت ق(50) بھی حرف مقطعات ق سے شروع ہوتی ہے۔کمال کی بات یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے تمام الفاظ میں حرف ''ق'' 57/57 دفعہ استعمال ہوا ہے جو کہ کلیہ کے عین مطابق ہے۔

سورت ق(50) میں پہلی آیت ق کے فوری بعد دوسری آیت ''والقران المجید'' ہے۔اِس سے ظاہر ہوتا ہے ''ق'' کی تعداد 114(57+57=114) بنتی ہے جو کہ کلام اللہ کی کل سورتوں کی تعداد ہے۔یاد رہے کہ بذات خود لفظ قرآن بھی کلام اللہ میں 57 دفعہ آیا ہے اور لفظ مجید بھی 19x3=57 دفعہ ہی دہرایا گیا ہے۔

ع،س،ق سے شروع ہونے والی سورت 42(شوریٰ) کل 53 آیات پر مشتمل ہے اور یوں اِس سورت کا نمبر اور آیات کا مجموعہ 95 بنتا ہے(53+42=95) جو کہ پھر سے 19 کا حاصل ضرب ہے 19x5=95۔اور دیکھئے سورۃ نمبر 50(ق) کی آیات 45 ہیں جن کا مجموعہ بھی 45+50=95 ہی ہے۔کیا عجیب حساب ہے۔(سبحان اللہ)

لیکن ق کا صحیح معنوں میں دماغ کو ہلا دینے والا(Mind Boggling) معجزہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر سورت کی 19 ویں آیت میں آنے والے تمام ''ق'' کا مجموعہ 76 ہے جو کہ ٹھیک ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہے۔قرآن کریم کی تشکیل وتزئین کرنے والے نے ایسے کیسے کیا اور کیوں کیا؟ اِس کے متعلق اِسی کی ذات پاک جانتی ہے۔لیکن ایک بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا لفظ لفظ وہی ہے جو نبی پاک پر وحی کیا گیا۔اگر ایک لفظ کی غلطی بھی ہو جاتی تو یہ حسابی نظام اِسے فوراً پکڑ لیتا۔

2۔ ''ن'' کا معجزہ: سورۃ نمبر 68 (القلم) کی پہلی آیت حرف مقطعات ''ن'' سے شروع ہوتی ہے۔ اگر آپ اس سورۃ میں کل نونوں کی تعداد گنیں تو یہ 133 ہے جو 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔ 19x7=133 (سبحان اللہ) کہ قرآن کے حروف کا بھی ایک خاص حساب ہے۔

یاد رہے کہ سورت نمبر 68 (القلم) حروف مقطعات سے شروع ہونے والی آخری سورت ہے اور پہلی مقطعاتی سورت 2 تھی۔ ان دونوں سورتوں کے درمیان قرآن حکیم کی آیات کی کل تعداد 5263 بنتی ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔ 19x277=5263 سبحان اللہ۔ کیسا عجیب اور زبردست نظام ہے۔

3۔ ''ص'' کا معجزہ: قرآن حکیم کی تین سورتوں یعنی 7 (اعراف)، 19 (مریم) 38 (ص) میں حرف مقطعات ''ص'' موجود ہے۔ ان تینوں سورتوں میں حرف ''ص'' گن کر جمع کریں تو وہ 152 ہے جو کہ ۱۹ کے کلیہ پر پورا اُترتا ہے۔ 19x8=152۔ وضاحت کیلئے مندرجہ ذیل جدول ملاحظہ فرمائیں۔

4۔ ''یٰسین'' کا معجزہ: سورۃ 36 یٰسین حروف مقطعات ''ی، س'' سے شروع ہوتی ہے۔ اِس سورت مبارکہ میں بھی وہی حساب بھر دیا گیا ہے۔ ساری سورت میں حرف ''ی'' 237 دفعہ اور حرف ''س'' 48 دفعہ آیا ہے۔ ان دونوں کا مجموعہ 48+237=285 جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے 15x19=285 (سبحان اللہ)

5۔ ''حٰم'' کا معجزہ: حٰم دو حروف مقطعات ''ح اور م'' پر مشتمل ہے اور قرآن

حکیم کی کل سات سورتوں کا ان سے آغاز ہوتا ہے۔(سورت 40 سے 46)اوران میں ح اور م کے حروف کی کل تعداد 2147 ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔

19x113=2147

مندرجہ ذیل جدول اِس حساب کو دکھاتی ہے۔

6۔ ''عسق'' کا معجزہ: عسق حروف مقطعات سورت نمبر 42 (شوریٰ) کی دوسری آیت ہے۔ اِس سورۃ مقدسہ میں حروف ع، س، ق بالترتیب 57,54,98 دفعہ آئے جن کا کل مجموعہ 209 ہے جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔ 209=19x11

یہ سب کچھ اِس بات کو واضح کرتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات تو اپنی جگہ اسکی املا کے حروف بھی ایک حسابی نظام کے تحت شمار کر کے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ قرآن کریم کی صحت کا ایسا ثبوت ہے جس پر سخت سے سخت مخالف بھی شک نہیں کرسکتا اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ حروف کی سطح پر اس طرح کی کتاب میں حسابی نظام کسی بھی طرح انسانی بس کی بات نہیں یعنی قرآن حکیم سراسر اللہ کی وحی ہے۔ **تنزیل العزیز الرحیم۔**

یہ تو قرآن پاک کے حسابی معجزہ کے ایک چھوٹے سے حصہ کی تصویر ہے۔ مجموعی حیثیت میں

حروف مقطعات میں قرآن حکیم کے حسابی معنوں کا ایک دریا چھپا ہوا ہے ۔ جیسے جیسے زیادہ طاقتور اور تیز کمپیوٹروں کی ایجاد ہو رہی ہے ویسے ہی قرآن حکیم میں اِس پنہاں معجزہ کے مزید پہلو سامنے آ رہے ۔ یہ سب 21 ویں صدی کے انسان پر قرآن حکیم کی حجت ہے ۔ اب بھی اگر وہ اِسے خالق کائنات کا کلام نہیں مانتا تو اس سے زیادہ بدقسمت اور کون ہوگا ۔

انشاء میں غیر معمولی تبدیلیاں

دورانِ تحقیق ایک عجیب بات یہ ظاہر ہوئی کہ ۱۹ کے کوڈ کے مطابق رکھنے والی کیلئے بعض اوقات قرآن حکیم کے الفاظ میں کچھ غیر معمولی تبدیلی کی گئی نظر آتی ہے ۔ مثلاً سورۃ ''ق'' کی تیرھویں آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ''قوم لوط'' کے الفاظ سے یاد کیا گیا ۔ اگر یہاں بھی لفظ ''قوم لوط'' لکھا جاتا ، تو سورۃ ''ق'' میں ''ق'' کے حروف کی تعداد ۵۸ ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ حرف ''ق'' کی تعداد ۵۷ (۱۹x۳) ہی رکھنا چاہتا تھا تو الفاظ میں یہ تبدیلی کی ۔

اب ذرا سورۃ اعراف کے بارے میں سوچیں کہ وہ ''**المص**'' سے شروع ہو جاتی ہے اور یہاں حرف ''ص'' کی بڑی اہمیت ہے ، کہ اِس سورۃ کی آیت نمبر ۶۹ کے حرف **بصطۃ** کی طرف دھیان دیں جس کے معنی کشادگی یا وسعت وغیرہ کے ہیں اور قرآن پاک میں ہر جگہ اس لفظ کو **بصطۃ** کے طور پر لکھا گیا جو اِس کے صحیح ہجے ہیں ۔ خاص کر سورۃ بقرہ کی آیت مبارکہ ۲۴۷ سے استفادہ کریں ۔ جہاں پر ''**بسطۃ**'' لکھا گیا ہے یعنی ''ص'' کی بجائے ''س'' کا اِستعمال کیا گیا ہے ۔ حرف ''ص'' سورۃ اعراف کے علاوہ دو اور سورتوں یعنی سورۃ ''مریم'' اور سورۃ ''ص'' کے مقطعات کے جوڑوں میں بھی استعمال ہوا ہے ۔ سورۃ مریم کے شروع میں مقطعات ''**کھیعص**'' ہے جس میں ''ص'' کا لفظ بھی ہے ۔ اِس ساری سورۃ میں حرف ''ص'' کی تعداد ۷۶ ہے اور سورۃ ''ص'' میں حروف ''ص'' کی تعداد 48 ہے ۔ اب اگر سورۃ اعراف میں ''**بصطۃ**'' کے ہجوں میں ''س'' کی جگہ ''ص'' کو استعمال نہ کیا جاتا تو سورۃ اعراف میں حروف ''ص'' کی تعداد ۹۷ رہتی ہے اور ان تینوں سورتوں کے کل ''ص'' (47+28+76) کی تعداد

۱۵۱ بنتی جو کہ ۱۹ کا حاصل ضرب نہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ یہ تعداد ۱۵۲ رکھنا چاہتا تھا کہ سب ''ص'' مل کر ۸x۱۹ (۱۵۲) یعنی ۱۹ کی حاصل ضرب ہی رہیں۔اِس لئے سورۃ اعراف میں یہ لفظ ''**بصطة**'' کے ہجوں میں لکھا گیا ہے۔یوں اِس سورۃ اعراف میں حرف ''ص'' کی تعداد ۴۸ کر دی۔تو کل تعداد ۱۵۲ (۷۶+۲۸+۴۸) ہوگئی۔

یہی کچھ آپ سورۃ آل عمران کی آیت مبارکہ ۹۶ میں دیکھیں گے کہ مکہ مکرمہ کو ''بکہ'' کہا گیا کہ جن سورتوں سے پہلے ''م'' کا حرف ہے۔اِن تمام سورتوں میں حرف ''م'' کی تعداد ۸۶۸۳ رکھنا مقصود تھی کہ یہ عدد ۱۹ پر تقسیم ہو سکے (۱۹x۴۵۷) = ۸۶۸۳۔اگر یہاں لفظ ''مکہ'' لکھتے تو تمام حروف م کی تعداد ۸۶۸۴ ہو جاتی اور یہ ہندسہ ۱۹ پر تقسیم نہ ہو سکتا۔اِس بحث سے یہ صاف ظاہر ہے کہ سارے قرآن مجید میں حروف کا استعمال اور الفاظ کی انشاء میں ۱۹ کے ہندسہ کے کلیہ کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

چیلنج

سوچنے کی بات ہے کہ کیا کسی انسان کیلئے اِس زمانہ کے عرب میں جب قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا اس طرح کے انتہائی پیچیدہ، ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کا حساب لگا کر قرآن حکیم جتنی بڑی کتاب تصنیف کرنا ممکن تھا؟ یقیناً اُس کا جواب نہیں میں ہی ہو سکتا ہے اور ایسا کرنا اس وقت تو کیا آج بھی ''ناممکن'' ہوگا۔اگر یہ کام کسی انسان کا نہیں تو کس کا ہو سکتا ہے؟ لازمی بات ہے کہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

یوں قرآن حکیم کا حسابی نظام کلام اللہ کا ابدی زندہ معجزہ ہے اور اِس بات کا ناقابل تردید ثبوت کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔اِسکے بعد کوڑھ مغز متعصب لوگوں کے سوا قیامت تک کوئی عقل سلیم والا آدمی اِسے جھٹلا نہیں سکتا۔بیسویں صدی کے آخر میں اِس معجزہ کی دریافت دنیا بھر کے سائنسدانوں کیلئے چیلنج ہے اور عام انسانوں پر حجت کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں اور بلا حیل و حجت اپنی زندگیوں کو قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق بدل ڈالیں۔ سوچیے۔پھر سوچیے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب کہ اِس وقت کے

حساب دانوں کا حساب کا علم آج کل کے پرائمری سکول کے بچوں سے کم تھا، عرب کے صحراؤں میں ایک شخص اُٹھتا ہے جو کسی سکول کا تعلیم یافتہ بھی نہیں، جب وہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اِس (ﷺ) کی زبان مبارک سے ایسے کلمات نکلنا شروع ہو جاتے ہیں جن کا فصاحت و بلاغت میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ وہ کلام ایسا زور دار، پر اثر اور انقلاب خیز تھا کہ جو کوئی اِسے سنتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا اور عرب کا کوئی بڑے سے بڑا عالم یا شاعر باوجود کھلے چیلنج کے ایک آیت بھی اس کے مقابلے میں نہ لا سکا۔ پھر لوگوں کی زندگیوں پر اِسکے اثرات کا یہ حال تھا کہ جب جاہل عربوں نے اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیا تو بدوؤں سے اُٹھ کر مہذب ترین انسان بن گئے اور جب قرآنی سوچ والے چند لاکھ لوگ تیار ہو گئے تو اُنہوں نے بیس سالوں کے اندر اندر اس وقت کی تمام معلوم شدہ دنیا پر اللہ کا حکم نافذ کر دیا، آج چودہ سو سال بعد بھی اسلام دُنیا کا سب سے زیادہ پھیلنے والا دین ہے اور اس کے ماننے والوں کی یہ تعداد مخالفوں کے پراپیگنڈہ کے باوجود مسلسل بڑھتی ہی جا رہی ہے؟

یہ سب اپنی جگہ لاجواب تو تھا ہی لیکن اب قرآن حکیم کے حساب اور قرآن کی سائنس نے تو جدید انسان کو ششدر کر کے رکھ دیا ہے۔ کیا اِن حیران کن خوبیوں اور بے مثل عظیم اثرات کے بعد بھی کوئی سلیم القلب انسان اِس کتاب کے من جانب اللہ تعالیٰ ہونے کے بارے میں شک کر سکتا ہے؟ بلا شبہ قرآن پاک تمام زمان و مکاں میں ایسا زندہ معجزہ ہے جو ہر قسم کی عقل و دانش والے انسان سے اپنا لوہا منواتا ہے تا کہ حق ظاہر ہو اور حجت قائم رہے۔ بیسویں صدی عیسوی اور چودھویں صدی ہجری کے آخر میں قرآن حکیم کے 19 والے حسابی نظام کی دریافت اس کے معجزہ کا ایک نظارہ ہے اور اِس سائنسی دور کیلئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔

حساب دان، سائنسدان، دانشور، علماء، حکماء ہر خاص و عام، مومن اور منافق، مسلمان اور کافر سبھی سوچنے پر مجبور ہیں کہ چودہ سو سال پہلے تو کجا آج بھی کسی کتاب میں ایسا حسابی نظام ڈالنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ طاقتور کمپیوٹروں کی مدد سے بھی اِس جیسے حسابی نظام کے مطابق کسی کتاب کی تشکیل انتہائی مشکل ہو گی۔ لیکن چودہ سو سال پہلے تو یہ ہر لحاظ سے ناممکن تھا۔ خاص طور پر

یہ کہ قرآن حکیم کوئی ایسی کتاب نہیں تھی جسے بیٹھ کر کسی مصنف نے لکھ دیا ہو یہ تو پورے 23 سال کی لاثانی جدوجہد اور انتہائی فعال زندگی کے دوران ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا رہا۔ ایسی زندگی جس میں ایک دن بھی ایسا نہیں تھا کہ صاحب قرآن آرام سے بیٹھ کر کچھ لکھ دیتے۔ تو پھر ایسا عجیب معجزانہ حساب وہ کیسے کر سکتے تھے؟ یقیناً قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور یہ اسی کا کارنامہ ہے۔

اسکا تو ہر کام ہی معجزہ ہے اس کیلئے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو حساب انسان کے ایک خلیہ (Cell) بنانے میں ہے وہ اسکے مقابلہ میں بھی ہی زیادہ پیچیدہ اور لمبا ہے۔ ایک معمولی جراثیم کی بناوٹ جس ڈیزائن کے مطابق ہے اسی نے سائنسدانوں کو حیران کیا ہوا ہے۔ بے شک میرے رب کی باتیں میرا رب ہی جانتا ہے۔ اس کے بعد بھی جو اِسے نہیں مانتا اور ایمان لانے کے بعد قرآن کریم کے احکامات پر عمل نہیں کرتا اس سے بڑھ کر اپنی جان کا دشمن اور کون ہوگا؟

19 کا ہندسہ کیوں؟

قرآن کریم کی حسابی ترکیب میں صرف 19 کا ہندسہ کیوں اس قدر معتبر ہے؟ یہ سوال اپنی جگہ کافی دلچسپی کا حامل ہے۔ سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی ہندسہ اہم نہیں وہ جو چاہے استعمال کرے تو یہ اسکی قدرت کا کرشمہ ہے کہ کسی چھوٹی سے چھوٹی، کم تر سے کم تر چیز کو عزت بخش دے۔ اس لحاظ سے 19 کے ہندسہ کی ماسوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اسے مخصوص کر لیا، کوئی اور مذہبی اہمیت نہیں۔ پھر بھی ایک حسابدان یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اور ہندسہ کیوں نہ چن لیا۔ اس سوال کا اصل جواب تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن عام حسابی قاعدوں کے مطابق 19 کے عدد کی کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے کسی عدد میں نہیں پائی جاتیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ہندسہ ایک اور نو کا مرکب ہے جو کہ ہندسوں میں اول اور آخر ہیں۔ اس کے ہندسوں کی جمع دس ہے (1+9=10) جس کے اعداد کی جمع ایک ہے (0+1=1) یعنی 19 کا ہندسہ اپنے اندر وحدت کو چھپائے ہوئے ہے۔ پھر یہ بھی کہ ۱۹ ایک ناقابل تقسیم ہندسہ ہے۔ انسان کا لڑکپن (Teens) والا زمانہ بھی ۱۹ سال کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور وہ جوانی میں قدم رکھ لیتا ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ بھی کائنات کے نظام میں 19

کے ہندسہ کی ایک خاص اہمیت ہے۔

مثلاً سورج، چاند اور زمین انسان کیلئے اہم ترین فلکی نظام ہیں۔ یہ تینوں ہر 19 سال بعد ایک دوسرے کے آمنے سامنے ایک لائن والی پوزیشن بناتے ہیں۔ (Ref: Encyclopeadia Judaica calender)۔ ہر انسان کے اندر 209 ہڈیاں ہوتی ہیں جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہیں 19x11=209۔ یہ بھی حساب لگایا گیا ہے کہ تخلیق کائنات کے بعد بچہ ماں کے پیٹ میں 266 دن (19x14) یا 38 ہفتے رہتا ہے جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہیں۔ (Ref: Longmean Medical Embryology)

یہ چند مثالیں یہ واضح کرتی ہیں کہ یہ انسان کی تخلیق اور اس کی دنیا کے اندر بھی 19 کا ہندسہ اللہ تعالیٰ کی مہر کی مانند ہے۔ شاید اِسی لئے کلام اللہ کی تخلیق و ترتیب میں بھی یہی ہندسہ بنیادی نوعیت کا ہے۔ (واللہ اعلم)

یا اولی الالباب

یہ سب باتیں یقیناً حیران کن ہیں لیکن حیرانگی ہمارے مسائل کا علاج نہیں، اصل بات ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ہم کائنات کے اس عظیم ترین معجزہ یعنی قرآن کریم کو سمجھیں، اور پھر دل و جان سے اس کے احکامات پر عمل کریں۔ اس کے دو فائدے ہیں، دنیا کی کامیابی اور آخرت کی کامیابی۔ انتخاب اپنا اپنا۔ **لکم دینکم ولی دین۔**

یایتها النفس المطمئنة o ارجعی الی ربك راضية مرضية o فادخلی فی عبدی o وادخلی جنتی o

"اے نفس مطمئنہ، اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ، تم بھی راضی، وہ بھی راضی o (وہ فرماتا ہے) پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جاؤ o اور میری (خاص) جنت میں داخل ہو جاؤ o"

(سورۃ الفجر آیات 27-30)

ذکر الٰہی ''قرآن واحادیث کی روشنی میں''

(عبدالقیوم ہاشمی)

آج مسلمان جس پستی اور زوال کی جانب رواں دواں ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اِس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ایک مسلمان کا ہونا چاہیے وہ حقیقت کی دُنیا میں موجود نہیں ہے۔ ہمارے دعوے اور جذباتی نعرے اِس تلخ حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے۔ لہٰذا ہماری تمام توانائیاں اِس جانب صرف ہونی چاہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق کس طرح مستحکم ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ سے مضبوط تعلق قائم کرنے والے مومنین کی ایک بنیادی صفت ہمیں واضح الفاظ میں بتادی گئی ہے۔

والذین امنوا اشد حبا للّٰہ (سورہ بقرہ آیت 165)

ترجمہ! ''اہل ایمان اللہ کو سب سے بڑھکر محبوب رکھتے ہیں''۔

یعنی مومن بننے کیلئے اللہ سے شدید ترین محبت کا رشتہ و تعلق قائم کرنا لازم ٹھہرے گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سے شدید محبت کس طریقے سے ممکن ہے۔ اِس کا جواب یہ ملتا ہے کہ اس کیلئے آپکو تصوف کے میدان میں داخل ہونا پڑے گا۔ یہیں سے مسلمانوں میں باہمی اختلاف شروع ہوتا ہے اور ایسی بحثیں شروع ہوجاتی ہیں جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ کی محبت کا حصول پس منظر میں چلا جاتا ہے۔

مخالفین تصوف، صوفیائے کرام کے تلقین کئے ہوئے اوراد و اذکار کو بدعت قرار دے کر مسلمانوں کی کثیر تعداد کو اللہ کی محبت سے محروم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا قرآنی حکم ہے نہ کہ صوفیاء کی طرف سے دین میں بدعت۔ اللہ سے شدید محبت کے حصول کا واحد ذریعہ صرف اور صرف ذکر الٰہی ہے، کیونکہ ذکر الٰہی دل سے دنیا کی محبت نکال کر اِس میں اللہ کی محبت کو داخل کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوبo (الرعد :28)

ترجمہ! ''خوب جان لو! دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے ہے''۔

مطلب یہ کہ ذکر کی بدولت دل میں اطمینان پیدا ہوا، اطمینان اس لئے کیونکہ محبوب حقیقی کی محبت دل نے محسوس کر لی۔ ذکر الٰہی کا حکم پہلی اُمتوں کو دیا گیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے سورہ اعلیٰ میں ارشاد ربانی ہے۔

قدافلح من تزکی oوذکر اسم ربه فصلی o بل توثرون الحیوۃ الدنیا o والاخرۃ خیروابقی o ان هذا لفی الصحف الاولیٰo صحف ابراهیم و موسٰیo

ترجمہ! ''فلاح پا گیا وہ شخص جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز پڑھی، مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ یہی بات پہلے صحیفوں میں بھی کی گئی ہے، ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں''۔

اِن آیات سے بالکل واضح ہے کہ پہلی اُمتوں میں تزکیہ نفس کیلئے ذکر الٰہی اور نماز کا ہی حکم تھا جسکی بدولت سابقہ اُمتوں کے قلوب سے دنیا کی محبت نکال کر اللہ اور آخرت کی جانب رُخ کر دیا جاتا تھا۔

درج بالا آیت **وذکر اسم ربه فصلی** سے یہ واضح ہے کہ اللہ کا ذکر نماز، تلاوت قرآن اور نوافل کے علاوہ بھی کرنے کا حکم ہے۔ اِس ضمن میں چند آیات پیش خدمت ہیں۔

واذکر اسم ربك و تبتل الیه تبتیلاًo(مزمل۔8)

''اپنے رب کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو''۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰه واذکرو اللّٰه کثیرًا لعلکم تفلحونo

''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہوتا کہ فلاح پا جاؤ''۔ (سورہ جمعہ۔10)

الذین یذکرون اللّٰه قیما وقعودًا وعلی جنوبهم ویتفکرون

فی خلق السموت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلاً سبحنک فقنا عذاب النار o(ال عمران-191)

"جو لوگ اُٹھتے بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں پروردگار یہ سب کچھ آپ نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ پاک ذات آپکی ہی ہے لہذا ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیں"۔

اور سورہ منافقون آیت 9 میں ارشاد ربانی ہے۔

یایھا الذین امنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ و من یفعل ذلک فاولئک ھم الخسرونo

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں"۔

اِن آیات سے واضح ہے کہ ہر لحظہ اللہ کی یاد ہی مومنین کی اعلیٰ ترین صفت ہے۔

حضورﷺ نے فرمایا کہ تمام کلمات میں سے افضل ترین کلمہ، ذکر **لا الہ الا اللہ** ہے۔

ذکر خفی یعنی چپکے چپکے اللہ کا ذکر کرنا بھی ذکر کی بہترین قسم ہے۔ یہ اللہ کا ذکر چاہے دل میں کرے یا زبان سے نہایت آہستگی سے کرے جسکا حال مخلوق سے پوشیدہ رہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ذکر خفی کا اجر بھی فرشتوں سے بالا بالا انسان کو براہ راست عطا فرما دیتے ہیں۔ ذکر خفی ذکر جہر سے ستر درجہ افضل ہے۔

اِن آیات سے واضح ہے کہ اللہ کا ذکر ہر مومن مرد اور عورت پہ ہر حال میں لازم ہے۔ یہ واحد عبادت ہے جو کثرت سے کرنے کا حکم ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی ایسی عبادت فرض نہیں فرمائی۔ جسکی حد مقرر نہ ہو اور اس میں ایک معذور آدمی کا عذر قبول نہ فرمایا ہو مگر ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے جسکی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ اور نہ کوئی ترک ذکر پر معذور فرمایا۔ ہاں جو مغلوب الحال ہو اُس کا معاملہ جدا ہے اور فرمایا اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہو، بیٹھے ہو یا لیٹے ہو، رات ہو یا دن، دل سے ہو یا زبان سے، خشکی پر ہو یا سمندر میں، سفر میں ہو یا حضر

میں، خوش حال ہو یا عسیر الحال، تندرست ہو یا بیمار ہر حال میں ذکر کرو''۔

یہ تو ثابت ہوا کہ اللہ کا ذکر ہر وقت اور ہر حال میں لازم ہے مگر معترز حضرات کہتے ہیں کہ جو اذکار صوفیا بتاتے ہیں وہ آنحضورﷺ کے دور میں رائج نہ تھے اِس لئے یہ دین میں بدعت ہیں۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کثرتِ ذکر الٰہی کے حکم پہ عمل کرنا اصل مقصد ہے جسے پورا کرنا ہر حال میں فرض ہے باقی جو ذکر کرنے کے طریقے ہیں وہ مقاصد ذکر نہیں بلکہ ذرائع ہیں اُس حکم ربانی کی تکمیل کیلئے جسکے مطابق ہمیں ہر وقت اللہ کا ذکر کرنا ہے تا کہ اللہ کی محبت کا حصول ممکن ہو۔ لہٰذا ذرائع کو اختیار کرنے میں کوئی پابندی نہیں اُسکی مثال ویسی ہی ہے جیسے قرآن کریم میں حکم ہوا۔

یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیکo

ترجمہ! ''اے رسولﷺ! آپ پہ جو نازل کیا گیا اُسکی تبلیغ کیجئے''۔

مطلب یہ کہ تبلیغ کرنا اصل مقصد ٹھہرا خواہ یہ تبلیغ مسجد میں ہو یا کسی میلے میں، منبر پہ ہو یا میدان میں، زبانی ہو یا تحریراً بالکل اِسی طرح ذکر کرنا مقصد ٹھہرا اب خواہ پاس انفاس کی شکل میں ہو یا نفی اثبات کی شکل میں، تسبیح پہ کریں یا انگلیوں پہ گن کر اِسکی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اِس لئے اِن طریقوں کو بدعت کہنا انتہا درجے کی دین سے لاعلمی ہے۔ جس طرح حدیث اور فقہ مدون حالت میں بعد میں ہمارے سامنے آئے بالکل اُسی طرح تصوف یا احسان اپنی تفصیل کے ساتھ علمی و کتابی شکل میں تشکیل پایا۔ کوئی شخص تزکیہ نفس اور درجہ احسان اُس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک اللہ کے ذکر میں دوام حاصل نہ ہو۔ حدیث جبرائیل کے مطابق دین تین حصوں میں منقسم ہے۔ 1۔ ارکان اسلام، 2۔ ایمان، 3۔ احسان۔ ایمان اور اسلام کے متعلق پوچھنے کے بعد مشکوٰۃ شریف میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔

''جبرائیلؑ نے کہا مجھے احسان کے متعلق بتایئے، رسول خداﷺ نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اِسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر حضورﷺ نے فرمایا اے عمرؓ! کیا تم جانتے ہو سائل کون تھا میں نے عرض کیا اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ جبرائیل تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے''۔

اِس حدیث مبارکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر احسان اور تزکیہ نفس کے شعبہ کو نظر انداز کر کے دین کو محض ایمان اور ارکان اسلام تک محدود سمجھ لیا جائے تو دین نامکمل ہی رہے گا۔

اگر ایمان یا عقیدہ کی مثال جڑ، ارکان اسلام کی مثال درخت کے تنے اور شاخیں سمجھ لیں تو ثمر آور جو تیسری مثال سے منسوب احسان کو ہی کریں گے۔

دیکھئے سورہ ابراہیم آیت (25,26)

ترجمہ: ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اِس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں ہیں یہ اپنے رب کے حکم سے ہر موسم میں پھل دیتا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لئے دیتا ہے کہ لوگ اِن سے سبق لیں''۔

یعنی ہم سے اللہ تعالیٰ صرف ایمان و عمل نہیں چاہتے بلکہ ثمر آور ایمان و عمل چاہتے ہیں اور وہ درجہ احسان کے بغیر ممکن نہیں۔

قرآن کریم میں ذکر الٰہی کے صلہ میں ایک ایسی نعمت کا وعدہ کیا گیا ہے جس سے بڑی نعمت مومن کیلئے اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **فاذکرونی اذکروکم** یہ وعدہ صرف ذکر الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہٰذا جسے اللہ مالک کل جہاں یاد فرمائیں اِس ذاکر سے بڑھکر کوئی بھی خوش نصیب نہیں ہوسکتا۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتے ہیں میں اِنکو اپنے دل یاد کرتا ہوں اور جو میرا ذکر کسی مجلس میں کریں گے تو میں اِن کا ذکر اُس سے کہیں زیادہ بہتر مجلس میں کرونگا۔ (بخاری و مسلم)

مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

مشکوۃ شریف میں ہے کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اہل جنت پر تسبیح و تحلیل انعام کی جائے گی جیسے سانس لینا تمہاری فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔

سبحان اللہ اِس حدیث میں پاس انفاس کی حالت کو اہل جنت کی صفت بیان کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ ذکر اللہ قرآنی حکم ہے اور اِسکے ذریعے تزکیہ نفس کر کے اللہ کی محبت، اُسکی رضا اور قرب و دیدار کا حصول لازم ہے۔ آخر میں چند احادیث بیان کی جاتی ہیں تا کہ ذکر کی فضیلت و اہمیت مزید واضح ہو جائے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا ''کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ''ہم اللہ جل شانہ کا ذکر کر رہے ہیں کہ اُس نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا۔ یہ اللہ کا ہم پر بڑا ہی احسان ہے''۔ یہ جواب سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اللہ کی قسم! کیا واقعی تم لوگ صرف اِسی وجہ سے یہاں بیٹھے ہو؟'' صحابہؓ نے عرض کیا ''اللہ کی قسم! ہم صرف اِسی وجہ سے یہاں بیٹھے ہیں'' جواب میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میں نے کسی بدگمانی کی وجہ سے تم لوگوں کو قسم نہیں دی بلکہ جبرائیلؑ ابھی میرے پاس آئے تھے اور یہ خبر سنا کر گئے ہیں کہ اللہ جل شانہ ملائکہ سے تم لوگوں پر فخر فرما رہے ہیں۔ (مسلم، مشکوٰۃ، ترمذی)

اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد ہستی ہیں جو خود صدا لگاتے ہیں کہ ہے کوئی طالب جس پر میں اپنے لطف و کرم کی بارش کر سکوں؟ ایسا محبوب جس سے محبت کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا ایسا کریم کہ غلطی سے بلانے والے کو بھی مایوس نہیں کرتا۔ روایت ہے کہ ایک بت پرست برسوں تک بتوں کی پوجا کرتا رہا۔ ایک دن غلطی سے وہ مالک حقیقی کو پکار بیٹھا اِس **غفور الرحیم** نے فوراً جواب دیا ''لبیک! لبیک! لبیک میرے بندے میں حاضر ہوں'' فرشتے بولے ''یا اللہ! یہ غلطی سے پکار بیٹھا ورنہ اِسے تیری خبر ہی نہیں''۔

ارشاد ہوا ''میں برسوں سے منتظر تھا کہ کبھی تو یہ مجھے پکارے گا، آج پکارا تو ہے، چاہے بھول کر ہی پکارا ہو۔ اگر آج میں بھی جواب نہ دوں تو مجھ میں اور اُس بت میں کیا فرق رہ جائے گا؟''

غور فرمایئے جب ایک بے خبر و نافرمان بندے سے اللہ تعالیٰ یہ معاملہ فرمائیں تو اللہ سے محبت کرنے اور اِسے ہر لحظہ یاد کرنے والوں سے رب کریم کس قدر محبت کرتے ہوں گے۔ کیا اِس کے بعد ذرا بھر بھی گنجائش ہے کہ ہم اللہ کی محبت پہ اوروں کی محبت کو مقدم رکھیں؟ ہرگز نہیں۔

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جدائی کے وقت میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کی نزدیک سب اعمال میں محبوب ترین عمل کونسا ہے؟ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا "تیری موت اِس حالت میں آئے کہ تیری زبان اللہ کا ذکر کررہی ہو" (طبرانی، بیہقی)

ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا "اللہ سے محبت کی علامت اُسکے ذکر سے محبت اور اللہ سے بغض کی علامت اِسکے ذکر سے بغض ہے"۔

بخاری و مسلم شریف میں حدیث شریف ہے کہ جو شخص ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا اِن دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے ذکر کرنے والا زندہ اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لو۔ سنو! مجالس ذکر کو لازم پکڑو"۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ اہل ذکر کی تلاش کرتے پھرتے ہیں جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جسکی تمہیں تلاش ہے۔ چنانچہ وہ ملائکہ ذاکرین کو آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اِن لوگوں کو بخش دیا ہے پھر اِن میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر سے نہیں وہ تو اپنے کام کیلئے آیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسی مجلس ہے جس میں بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہ سکتا" (بخاری شریف)

مختصر یہ کہ ذکر الٰہی اللہ سے محبت، قرب، معرفت اور دیدار کا ذریعہ بنتا ہے اور دل کو زندہ کرتا ہے، دل کے زنگ کو صاف کرتا ہے، دل سے فکر و غم کا خاتمہ کرتا ہے، دل کے زنگ کو صاف کرتا ہے، دل سے فکر و غم کا خاتمہ کرتا ہے، دل میں اطمینان پیدا کرتا ہے دل سے دنیا کی محبت نکال کر اللہ کی محبت داخل کرتا ہے۔

سورہ زخرف کی آیت کا ترجمہ! "جو شخص ذکر الٰہی سے آنکھ چرا لے ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں سو وہ اِس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

سورہ مجادلہ کی آیت کا ترجمہ! "اِن پر شیطان نے پورا تسلط کرلیا ہے سو اُس نے اِن کو اللہ کا

ذکر بھلا دیا۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں''۔

حضورﷺ نے فرمایا میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ اِسکی مثال ایسی ہے کہ آدمی کے تعاقب میں دشمن تیزی سے آ رہا ہو اور وہ آدمی اِس سے بچنے کیلئے قلعہ میں پناہ گزین ہو جائے اِس طرح شیطان کے حملے سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ اللہ کا ذکر ہے''

نسائی شریف میں ہے حضورﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو انبیاء نہیں مگر قیامت کے دن انبیاء اور شہدا اِن پر رشک کریں گے عرض کیا گیا وہ کون ہیں تا کہ ہم ان سے محبت رکھیں؟ فرمایا وہ ایسے لوگ کہ اللہ کے نور کی وجہ سے ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں، نہ ان میں خونی رشتہ ہے، نہ نسب کا اشتراک، ان کے چہرے نورانی ہونگے، وہ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے، جب لوگ خوف زدہ ہوں گے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جب لوگ غمگین ہوں گے انہیں کوئی غم نہ ہوگا پھر حضورﷺ نے آیت تلاوت فرمائی۔ **الا اِن اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی کے پاس عرش کے دائیں جانب منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ منبر نور کے ہونگے، ان کے چہرے منور ہونگے وہ نہ انبیاء ہونگے نہ شہدا ہونگے نہ صدیقین۔ عرض کیا گیا حضورﷺ پھر وہ کون لوگ ہونگے؟ آپؐ نے تین بار فرمایا وہ اللہ کیلئے باہم محبت کرنے والے لوگ ہونگے۔

اب آخر میں سورہ حدید کی اِس آیت پہ اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں۔

ترجمہ! ''کیا ایمان والوں کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ اِنکے دل اللہ کی یاد کیلئے جھک جائیں؟''

وما علینا الا البلاغ المبینo

حضرت انسؓ بن مالک انصاری خادمِ رسول اللہ ﷺ

(طالب الہاشمی) آخری قسط

اپنے شفیق آقا و مولا ﷺ کی مفارقت کے صدمہ جانکاہ کو حضرت انسؓ نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت انسؓ نے بلا تامل خلیفۃؓ الرسول کی بیعت کر لی۔ اِس وقت اِن کی عمر صرف بیس برس کی تھی لیکن دانائے کونین ﷺ کے مسلسل دس ۱۰ سال کے فیضِ صحبت نے انہیں گوناگوں صلاحیتوں کا مالک بنا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے مشورہ سے انہیں بحرین کا عامل مقرر فرمایا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے عہدِ صدیقی میں مرتدین کے خلاف بعض معرکوں میں بھی حصہ لیا۔ اِس سلسلہ کی سب سے سخت لڑائی مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی۔ اِس لڑائی میں حضرت انسؓ کے بھائی حضرت براء بن مالک نے محیر العقول شجاعت دکھائی۔ قرآئن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ بھی اِس معرکے میں موجود تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں حضرت انسؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت براءؓ نے مسیلمہ کی جنگ کے دن باغ والوں پر (یعنی مرتدین پر جنہوں نے باغ کی چاردیواری کے اندر مورچہ بنا رکھا تھا) تن تنہا تیراندازی کی اور ان سے لڑتے رہے یہاں تک کہ باغ کا دروازہ کھول دیا۔ اِس وقت ان کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے اسی ۸۰ سے زیادہ زخم تھے۔ انہیں وہاں سے علاج کیلئے اپنے خیمے میں پہنچایا گیا اور ان کی تیمارداری کیلئے حضرت خالدؓ بن ولید کو وہاں ایک ماہ ٹھہرنا پڑا۔

۱۳ھ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو حضرت انسؓ کو جذبہ جہاد نے بے تاب کر دیا۔ وہ امیر المومنینؓ سے اجازت لے کر ایران کے میدان رزم میں پہنچ گئے اور عہدِ فاروقی کے بہت سے معرکوں میں اپنی سرفروشی کے جوہر دکھائے۔ اِن کے جانباز بھائی حضرت براءؓ بن مالک بھی اِن معرکوں میں ان کے ساتھ تھے۔

اکثر مورخین نے معرکہ حریق اور فتح شوستر (تستر) کے سلسلے میں حضرت انسؓ اور حضرت

براءؓ کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔طبرانیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک اور ان کے بھائی براءؓ بن مالک عراق کے ایک مقام حریق میں دشمن کے ایک قلعے کے محاصرے میں شریک تھے۔دشمن گرم زنجیروں میں لوہے کے آنکڑے لگا کر مسلمانوں کی طرف پھینکتے اور جو مسلمان قلعے کی دیوار کے قریب ہوتا اس کو اوپر کھینچ لیتے تھے۔ایک موقع پر حضرت انسؓ دیوار کے قریب گئے یا اس پر چڑھنے کی کوشش کی تو وہ بھی دشمن کے آنکڑے میں پھنس گئے۔وہ انہیں اوپر کھینچ ہی رہے تھے کہ حضرت براءؓ کی نظر پڑ گئی۔وہ لپک کر اُدھر گئے اور زنجیر کھینچنے سے حضرت براءؓ کے ہاتھ کا تمام گوشت جل گیا اور ہڈیاں نکل آئیں چونکہ حضرت انسؓ زیادہ اوپر سے نہیں گرے تھے،اِس لئے معمولی چوٹ آئی جو جان بچ جانے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔

معرکہ شوستر میں حضرت انسؓ پیدل فوج کے افسر تھے اور حضرت براءؓ میمنہ کے۔شوستر کا محاصرہ بہت دن تک جاری رہا اس دوران میں ایرانیوں کی مسلمانوں سے کئی جھڑپیں ہوئیں جن میں حضرت انسؓ اور حضرت براءؓ نے کمال شجاعت دکھائی اور ایرانیوں کو ہر بار قلعے میں دھکیل دیا۔ اثنائے محاصرہ میں ایک دن حضرت انسؓ،حضرت براءؓ کے خیمے میں گئے۔وہ بڑی لے کے ساتھ کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔حضرت انسؓ نے ان سے فرمایا،بھائی اللہ نے آپ کو قرآن عطا فرمایا ہے جو ان اشعار سے بہتر ہے۔اس کو لحن سے پڑھیے۔اُنہوں نے کہا،انسؓ شاید تمہیں یہ ڈر ہے کہ کہیں میں بستر پر نہ مر جاؤں،لیکن خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا میں جب مروں گا میدان میں مروں گا۔

اللہ نے حضرت براءؓ کی قسم یوں پوری کی کہ وہ اسی معرکے میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے ایرانیوں کے سپہ سالار ہرمزان کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔بہر حال حضرت براءؓ اور دوسرے مجاہدین کی سرفروشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانیوں کو ذلت انگیز شکست ہوئی اور ہرمزان اپنے اہل وعیال سمیت مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گیا۔اِسے اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت موسیٰ اشعریؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو اُنہوں نے اسے حضرت انسؓ کے ساتھ بارگاہِ خلافت میں روانہ کر دیا۔اِس سفر میں ہرمزان کی حفاظت کیلئے تین سو سوار حضرت انسؓ کی ماتحتی میں تھے۔حضرت انسؓ نے ہرمزان کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا جہاں اس نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت انسؓ میدانِ جہاد ہی کے شیر نہیں تھے بلکہ آسمانِ علم وفضل کے ماہتاب بھی تھے۔ بصرہ آباد ہونے کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر فاروقؓ نے محسوس کیا کہ وہاں کے لوگوں کو فقہ کی تعلیم کیلئے کچھ معلمین کی ضرورت ہے۔ اِس مقصد کیلئے اُنہوں نے فضلاءِ صحابہ میں سے ایک جماعت منتخب کی جس میں حضرت انسؓ بھی شامل تھے۔ امیر المومنینؓ نے نو یا دس اصحاب پر مشتمل اِس جماعت کو ضروری ہدایات دے کر بصرہ روانہ کیا۔ حضرت انسؓ نے بصرہ پہنچ کر وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی اور باقی زندگی اِسی شہر میں گزاری۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان ذوالنورینؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو حضرت انسؓ شروع سے اخیر تک ان کے وفاداری اور بہی خواہ رہے۔ ان کی خلافت کے آخری دور میں باغیوں نے فتنہ انگیزی کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ بصرہ میں ان واقعات کی اطلاع پہنچی تو حضرت انسؓ، حضرت عمرانؓ بن حصینؓ اور وہاں پر موجود دوسرے صحابہ کرامؓ بے تاب ہو گئے اور اُنہوں نے اہل بصرہ کو امیر المومنینؓ کی امداد کیلئے آمادہ کیا۔ لیکن یہ بھی امداد بھی مدینہ منورہ پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ امیر المومنینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔ اِس روح فرسا حادثے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے مسند خلافت کو زینت بخشی۔ ان کی خلافت کی ابتداء ہی میں جنگ جمل کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ اِس کے بعد حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ اِس پُر آشوب زمانے میں حضرت انسؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور کسی لڑائی یا جھگڑے میں حصہ نہیں لیا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی وہ عرصہ تک حیات رہے لیکن بالعموم گوشہ نشین ہی رہے۔ امام ذہبیؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد میں وہ کچھ عرصہ اہل بصرہ کی امامت کرتے رہے۔ عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی بصرہ کا امیر مقرر ہوا تو اس نے حضرت انسؓ پر بڑی سختی کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حجاج نے حضرت انسؓ پر مخالفین بنواُمیہ کی حمایت کرنے کا الزام لگایا اور لوگوں کی نظروں میں گرانے کیلئے ان کی گردن پر مہر لگوا دی۔ حضرت انسؓ نے نہایت صبر وتحمل سے یہ سزا برداشت کی لیکن گھر آ کر خلیفہ عبدالملک کو ایک خط لکھا

جس میں حجاج کے ظلم اور دھمکیوں کی روئیداد بیان کی۔عبدالملک ''خادم رسول اللہ ﷺ'' کا خط پڑھ کر تھرا اُٹھا اور اس نے حجاج کو ایک سخت عتاب آمیز خط لکھا جس میں اس کو حکم دیا کہ فوراً حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معافی مانگو۔خلیفہ کا خط ملتے ہی حجاج اپنے درباریوں سمیت حضرت انسؓ کی خدمت میں گیا اور بڑی لجاجت سے معافی مانگی حضرت انسؓ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا وسیع ظرف عطا فرمایا تھا انہوں نے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ اس کی درخواست پر عبدالملک کو اپنی خوشنودی کا خط بھی لکھ دیا۔

۹۳ھ میں حضرت انسؓ بیمار پڑے۔آپ اِس وقت عمر کی ۱۰۳ منزلیں طے کر چکے تھے۔ اہل خانہ،عقیدت مندوں اور شاگردوں نے علاج معالجہ اور خبر گیری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی لیکن ضعف روز بروز بڑھتا گیا۔جب جانبری کی کوئی اُمید نہ رہی تو اپنے شاگردِ خاص ثابت بنانیؒ سے فرمایا کہ میری زبان کے نیچے رسول اللہ ﷺ کا موئے مبارک رکھ دو۔اُنہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ اِسی حالت میں روح مطہر عالم بالا کو پرواز کرگئی **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون** اس وقت سوائے ایک صحابی حضرت ابوالطفیلؓ کے کرہ ارض پر کوئی اور صاحبؓ رسولؐ موجود نہ تھے۔حضرت انسؓ کی وفات کی خبر پھیلی تو لوگوں کا ایک جمِ غفیر جنازے میں شریک ہونے کیلئے اُمڈ آیا۔قطنؒ بن مدرک کلابی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر ہزاروں لوگوں نے بادیدہ گریاں اسلام کے اِس بطل جلیل کو بصرہ کے قریب موضع طف میں سپردِ خاک کر دیا۔

حضرت انسؓ نہایت کثیرالاولاد تھے۔اہل سیر کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اَسی لڑکے اور تین لڑکیاں عطا کی تھیں ان کے علاوہ بیس سے زیادہ پوتے تھے وفات کے وقت موجود تھے۔ حضرت انسؓ کے کئی صاحبزادے فنِ حدیث میں شیخ اور امام کا درجہ رکھتے تھے۔مشہور بصری محدث ابوعمیر عبدالکبیر بن محمد بن عبداللہ بن حفص بن ہشام (متوفی ۲۹۱ھ) بھی انہیں کی اولاد میں سے ہیں۔حضرت انسؓ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی اور وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو خود تعلیم دیا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ کا شمار آسمانِ ہدایت کے ان درخشندہ ستاروں میں ہوتا ہے جن کے علم وفضل کی

ضوفشانی نے سارے عالم اسلام کو جگمگا دیا۔ روایت حدیث کے اعتبار سے وہ صحابہ کرامؓ کے طبقہ اول میں ہیں اور ان سے ۱۲۸۶ احادیث مروی ہیں۔ اِن میں سے ۸۰ صحیح بخاری میں اور ۷۰ صحیح مسلم میں منفرد ہیں۔ ۱۸۰ احادیث متفق علیہ ہیں۔ حضرت انسؓ نے سرچشمہ وحی سے اکتساب کے علاوہ مندرجہ ذیل کبار صحابہؓ صحابیاتؓ سے بھی استفاضہ کیا:۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ بنت رسول اللہ ﷺ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت ابو ذر غفاریؓ، حضرت اُبیؓ بن کعب، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت ابو طلحہؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت ثابتؓ بن قیس، حضرت اُم سُلیمؓ (والدہ) اُم حرامؓ، (خالہ) حضرت اُم الفضلؓ (اہلیہ حضرت عباسؓ عم رسول ﷺ)

حضرت انسؓ کے دریائے علم سے سیراب ہونے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ چند ممتاز تلامذہ کے اِسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ، سلیمان تیمیؒ، ثابت بنانیؒ، قتادہؒ، ابو قلابہؒ، حمید الطویلؒ، ثمامہ بن عبداللہ بن انسؓ، اسحٰق بن ابی طلحہؒ، جعدؒ، ابو بکر بن عبداللہ مزنیؒ، یحییٰ بن سعیدؒ، محمد بن سیرینؒ، ربیعۃ الرائےؒ، سعید بن جبیرؒ، سلمہ بن وردانؒ۔

مسند احمدؒ میں ہے کہ حضرت انسؓ روایت حدیث میں بہتر محتاط تھے۔ جب حدیث روایت کر چکتے تو غایت احتیاط کی بناء پر کہا کرتے تھے۔

اوکما قال رسول اللہ ﷺ (یا جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا)

جن حدیثوں کو سمجھنے میں لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی تھی، حضرت انسؓ انہیں بیان ہی نہیں کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ وہ حدیث روایت کرتے وقت وضاحت کر دیتے تھے کہ میں یہ براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے یا فلاں صاحب رسولؐ سے۔

علم حدیث کے علاوہ حضرت انسؓ علم فقہ میں بھی درجہ تبحر رکھتے تھے۔ مختلف دینی مسائل کے بارے میں ان کے بے شمار فتاویٰ اور اجتہادات کتابوں میں موجود ہیں جو ان کے تفقہ فی

الدین کا بین ثبوت ہیں ۔وہ ان چند فقہائے صحابہ میں سے تھے جنہیں حضرت عمر فاروقؓ نے اہل بصرہ کو فقہ کی تعلیم دینے کیلئے منتخب فرمایا تھا۔ بصرہ میں حضرت انسؓ کے حلقہ درس کو اس قدر مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی کہ تمام عالم اسلام کے شائقین علم کھنچ کھنچ کر وہاں پہنچنے لگے یہاں تک کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بھی طلبہ بصرہ آ کر ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت انسؓ نہایت باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ سالہا سال تک لوگوں کو تعلیم دیتے رہے۔وہ بڑے بلیغ انداز میں درس دیا کرتے تھے۔اگر مجلس درس میں کوئی سوال کرتا تو نہایت خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیتے تھے۔حضرت انسؓ کی ذات گرامی ساٹھ ستر برس تک علم کی جوئے رواں بنی رہی جس سے علم کا ہر جویا بقدر ظرف سیراب ہوتا رہا۔

حضرت انسؓ کے صحیفہ اخلاق میں حب رسولؐ، اتباع سنت، شغف علم، شجاعت، شوقِ جہاد، امر بالمعروف اور حق گوئی سب سے نمایاں ابواب ہیں۔حضرت انسؓ نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو اپنے گھرانے پر شروع دن ہی سے اسلام کو پرتو فگن دیکھا۔ان کی والدہ اُم سُلیمؓ، سوتیلے والد حضرت ابوطلحہؓ، چچا حضرت انسؓ بن نضر، بھائی حضرت براءؓ بن مالک، خالہ حضرت اُم حرامؓ اور ماموں حضرت حرامؓ بن ملحان سبھی حضور سرورِ عالم ﷺ کے نہایت مخلص شیدائی تھے۔خاندان میں ہر وقت ذاتِ رسالت مآب ﷺ اور آپ ﷺ کی دعوت کا چرچا ہوتا رہتا تھا۔اِسی پاکیزہ ماحول نے کمسن انسؓ کے دل میں حضور پُر نور ﷺ کی محبت کا بیج بو دیا۔اِس کے بعد ان کو مسلسل دس برس تک رحمت دو عالم ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔اِس دوران میں ان کو حضور ﷺ کے بے مثل اخلاقِ عالی نے اتنا متاثر کیا کہ وہ اپنے شفیق آقا و مولا ﷺ کے عاشق صادق بن گئے۔انہوں نے خلوت و جلوت، سفر و حضر، بزم و رزم ہر حالت میں حضور ﷺ کی اِس تندہی اور ذوق و شوق سے خدمت کی کہ آپ ﷺ ہمیشہ اِن سے خوش رہے۔حضور ﷺ نے وصال فرمایا تو حضرت انسؓ کی دنیا اندھیر ہوگئی لیکن اپنے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق انہوں نے جزع فزع کے بجائے صبر سے کام لیا اور اپنے آپ کو حضور ﷺ کی تعلیمات اور ارشادات اُمت تک پہنچانے کیلئے وقف کر دیا۔تاہم رحمت عالم ﷺ کی یاد ان کو ہر وقت تڑپاتی رہتی تھی ان کی کوئی

مجلس ایسی نہ تھی جس میں حضورﷺ کا ذکر خیر نہ ہو۔عہد رسالت کا کوئی واقعہ کسی سے سنتے یا خود بیان کرتے تو آنکھیں نم ہو جاتیں اور شدت تاثر سے آواز بھرا جاتی۔ کئی واقعہ ایسا ہوتا کہ اپنے آپ پر بالکل قابو نہ رہتا اور سخت بے چینی کے عالم میں مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوتے جب تک گھر پہنچ کر تبرکات نبوی کی زیارت نہ کر لیتے کل نہ پڑتی تھی۔ایک دن سرورِ عالمﷺ کا حلیہ بیان کر رہے تھے" میں نے کبھی کوئی ریشم رسول اللہﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہیں چھوا اور نہ کوئی خوشبو حضورﷺ کے بدن مبارک سے زیادہ خوشبو دار سونگھی۔۔۔۔" اسی طرح بیان کرتے کرتے فرطِ محبت سے اتنے بے قرار ہوئے کہ گریہ طاری ہو گیا اور زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے۔

"قیامت کے دن رسول اللہﷺ کی زیارت نصیب ہو گئی تو عرض کروں گا یا رسول اللہﷺ آپ کا ادنیٰ غلام انس حاضر ہے"۔

حضورﷺ سے بے پناہ محبت اور عقیدت کا یہ اثر تھا کہ انہیں اکثر خواب میں سید الانامﷺ کی زیارت نصیب ہوتی۔

اللہ اور اللہ کے رسولﷺ ان کو دنیا کی ہر شے سے محبوب تر تھے۔صحیح بخاری میں خود ان سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں جو کسی شخص میں پائی جائیں تو گویا اس نے ایمان کی حلاوت پالی۔ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کو ساری دُنیا سے زیادہ عزیز تر ہے۔دوسرے یہ کہ جس سے محبت کرے، اللہ کی خاطر کرے۔تیسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانے کو ایسا ہی ناپسند کرے جیسا کہ آگ میں پڑ جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

ایک اور روایت میں فرماتے ہیں کہ کسی نے رسول اللہﷺ سے پوچھا، قیامت کب آئے گی۔آپؐ نے فرمایا، تم نے قیامت کیلئے کیا سامان مہیا کیا ہے۔عرض کیا، یا رسول اللہ، میں تو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو محبوب رکھتا ہوں۔آپؐ نے فرمایا، بس جس سے محبت رکھتے ہو اس کے ساتھ تمہارا حشر ہو گا۔حضورﷺ کا یہ ارشاد سن کر ہم لوگوں کو جتنی خوشی ہوئی کبھی کسی دوسری بات سے نہیں ہوئی۔مجھے اُمید ہے کہ نبیﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کے باعث ان کے ساتھ رہوں گا حالانکہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔

اپنی اولاد اور عامۃ الناس کی تربیت کیلئے حضور ﷺ کے اخلاقِ عالی کا ذکر بڑے لطف و انبساط سے کیا کرتے تھے اس سلسلے میں ان سے مروی چند احادیث ملاحظہ کیجئے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر آپ کو پسند ہوتا تو تناول فرما لیتے اگر ناپسند ہوتا تو چھوڑ دیتے۔ (صحیح بخاری)

☆ رسول اللہ ﷺ سے جب کبھی کسی شخص نے کوئی چیز مانگی آپؐ نے اسے وہ چیز دے دی۔ ایک دفعہ ایک شخص آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ نے ایک وادی میں چرتی (اپنی تمام) بکریاں اسے عطا کر دیں۔ وہ شخص اپنی قوم میں واپس جا کر کہنے لگا کہ محمد ﷺ تو ایسے شخص کی طرح دیتے ہیں جس کو افلاس اور محتاجی کا ڈر ہی نہ ہو۔ بعض دفعہ کوئی شخص محض مال حاصل کرنے کیلئے مسلمان ہوتا لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اسلام اس کو دنیا و مافیہا سے پیارا ہو جاتا۔ (صحیح مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ جب وہ کوئی لقمہ بھی کھائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جب پانی کا گھونٹ پیئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔ (صحیح مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشائش ہو اور اس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر خیر باقی رہے تو چاہیے کہ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔
(صحیح بخاری)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے وہ کچھ پسند نہ کرے جو کہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری)

☆ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو۔ یہ بات تیرے اور تیرے گھر والوں کیلئے برکت کا باعث ہوگی۔ (ترمذی شریف)

☆ رسول اللہ ﷺ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے ان کو سلام کیا۔ حضور ﷺ کی یہی عادت مبارک تھی۔ (صحیح بخاری)

☆ مدینہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی رسول اللہ ﷺ کا دستِ مبارک پکڑتی اور پھر

اپنی ضرورت عرض کرنے کیلئے جہاں مرضی ہوتی حضورﷺ کو لے جاتی ۔(صحیح بخاری)

☆ رسول اللہﷺ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب آپؐ اپنے بستر پر جاتے تو یوں دُعا فرماتے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہماری ضرورتیں پوری کیں اور ہم کو آرام کرنے کی جگہ دی۔ کئی لوگ ایسے ہیں کہ جن کی نہ ضرورت پوری ہوئی نہ ان کو آرام کرنے کی جگہ ملی۔ (صحیح مسلم)

سرورِ عالمﷺ کی حیاتِ طیبہ ہر وقت حضرت انسؓ کے پیشِ نظر رہتی تھی اِس لئے اپنے ہر کام میں حضورﷺ کی متابعت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ عبادات ہوں یا معاملات وہ ہر بات میں حضورﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے تھے۔ نماز میں خشوع وخضوع کا یہ عالم ہوتا تھا کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، میں نے ابن اُم سُلیمؓ (انسؓ) سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہﷺ کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت انسؓ کا جذبہ اتباعِ سنت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ کبھی کوئی کام رسول اکرمﷺ کو ایک دفعہ بھی کرتے دیکھا تو اس کی بھی تقلید کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا تھا کہ حضورؐ نے بچوں کو سلام کرنے میں سبقت فرمائی۔ اِس کے بعد وہ ساری عمر حتیٰ کہ ایامِ پیری میں بھی بچوں کو سلام کرنے میں سبقت کرتے رہے۔

ایک مرتبہ سفر میں نماز کا وقت آ گیا۔ اُنہوں نے اونٹ کی پیٹھ پر ہی نماز پڑھ لی۔ اونٹ قبلہ رُخ نہ تھا، تلامذہ نے اِس پر حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا میں نے رسول اللہﷺ کو ایک دفعہ اِسی طرح نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

ایک دفعہ ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے اِسی کو باندھ اور اوڑھ رکھا تھا۔ ابراہیم بن ربیعہؒ نے انہیں اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو بہت حیران ہوئے۔ جب حضرت انسؓ نماز پڑھ چکے تو ابراہیمؒ نے پوچھا، آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا ہاں میں نے حضورﷺ کو بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا تھا (مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حضورﷺ نے سب سے

آخری نماز جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے پڑھی تھی اایک کپڑے میں ادا فرمائی تھی)۔

حضرت انسؓ کو تحصیل علم کا اِس قدر شوق تھا کہ نہ صرف فیضان نبوی سے مسلسل دس برس تک براہِ راست بہرہ یاب ہوتے رہے بلکہ کبار صحابہؓ سے بھی مقدور بھر استفاضہ کیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم و فضل کا ''مجمع البحرین'' بن گئے پھر اِس علم کو اپنے تک محدود نہ رکھا بلکہ ساری عمر اس کی اشاعت کرتے رہے۔

شجاعت و بسالت میں بھی حضرت انسؓ جوانانِ انصار میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ نہایت ماہر تیر انداز اور اعلیٰ درجے کے شہسوار تھے۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ بچپن میں اِس قدر تیز دوڑتے تھے کہ ایک دفعہ جنگلی خرگوش کا تعاقب کر کے اِسے پکڑ لیا حالانکہ انکے سب ہم عمر لڑکے ناکام لوٹے۔ حضرت انسؓ اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے علاوہ تیر اندازی بھی سکھایا کرتے تھے اگر ان کا نشانہ چوک جاتا تو خود ایسا تاک کر نشانہ لگاتے کہ تیر اپنے ہدف پر جا لگتا۔ جہاد کا اِس قدر شوق تھا کہ باوجود نوعمر ہونے کے عہد رسالت کے نو غزوات میں شریک ہوئے اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد عہد فاروقی کے بہت سے معرکوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ امر بالمعروف اور حق گوئی کے معاملے میں حضرت انسؓ کو نہ **لومة لائم** کی پرواہ تھی اور نہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی۔ نہ ان کو غلط کام سے ٹوکنے میں باک تھا اور نہ حق بات کہنے سے جھجکتے تھے۔ ایک مرتبہ مصعب بن زبیرؓ نے اپنی امارتِ بصرہ کے زمانے میں شہر کے ایک معزز انصاری کو سازش کے شبہ میں گرفتار کر لیا۔ حضرت انسؓ کو علم ہوا تو وہ فوراً دارالامارت تشریف لے گئے۔ مصعبؓ مسند امارت پر بیٹھے تھے۔ حضرت انسؓ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے امراء اور حکام کو وصیت فرمائی ہے کہ انصار سے خاص رعایت کی جائے، ان کے اچھوں سے اچھا سلوک کیا جائے اور جو برے ہیں ان کے معاملہ میں چشم پوشی اور درگزر سے کام لیا جائے۔

مصعبؓ نے ''خادمِ رسول اللہ'' سے یہ حدیث سنی تو مسند سے اُتر کر اپنا رُخسار فرش پر رکھ دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک سر آنکھوں پر، میں ان کو رہا کرتا ہوں۔

حضرت انسؓ ایک مرتبہ اُموی حکومت کے ایک امیر حکم بن ایوب کے مکان پر تشریف لے گئے، وہاں دیکھا کہ لوگ ایک مرغی کے پاؤں باندھ کر اس پر نشانہ لگا رہے ہیں۔ جب تیر لگتا تو وہ پھڑ پھڑانے لگتی۔ حضرت انسؓ غصے سے بے تاب ہوگئے اور فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے ایسی حرکت سے منع فرمایا ہے۔ بے زبان جانوروں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔

حجاج بن یوسف ثقفی کے بیٹے نے ایک مرتبہ قاضی بصرہ بننے کی خواہش کی۔ حجاج اس کو اس عہدہ پر فائز کرنا چاہتا تھا کہ حضرت انسؓ کو خبر ہوگئی وہ حجاج کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا جو شخص قضا یا امارت کی خواہش کرے، رسول اللہ ﷺ نے اِس عہدہ پر ایسے شخص کے تقرر کی ممانعت فرمائی ہے۔

کربلا کے واقعہ کے بعد حضرت امام حسینؓ کا سرِ اقدس عراق کے گورنر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا تو اس موقع پر حضرت انسؓ بھی دربار میں موجود تھے۔ عبیداللہ نے اپنے ہاتھ کی چھڑی سیدنا حسینؓ کے چشم مبارک پر مارتے ہوئے آپؓ کے خدوخال کے بارے میں رکیک الفاظ استعمال کیے۔ حضرت انسؓ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہوگیا اور اُنہوں نے فرمایا۔

''جانتے ہو یہ (سیدنا حسینؓ کا) چہرہ رسول اللہ ﷺ کے روئے انور سے مشابہ ہے''۔

ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک اموی نے حضرت انسؓ کو انصار کی ایک جماعت کے ہمراہ دمشق بلایا۔ وہاں سے واپسی کے سفر میں فج الناقہ کے مقام پر عصر کا وقت آیا تو حضرت انسؓ دو رکعت نماز پڑھا کر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ انکے ساتھیوں نے چار رکعتیں پوری کیں۔ حضرت انسؓ کو معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، لوگوں کو کیا ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رعایت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ میں رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ زمانہ آنے والا ہے جب لوگ دین میں بال کی کھال نکالیں گے لیکن حقیقت میں وہ دین کی روح سے نا آشنا ہوں گے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز اپنے ایام شہزادگی میں اموی حکومت کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ اِس زمانے میں حضرت انسؓ کا قیام بھی مدینہ منورہ میں تھا۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے شاہی خاندان میں پرورش پائی تھی اور دینی مسائل سے کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔لوگوں کو نماز پڑھاتے وقت کوئی نہ کوئی غلطی ہو جاتی تھی۔حضرت انسؓ ان کو ہمیشہ ٹوک دیتے تھے۔ان کی بار بار کی روک ٹوک سے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی طبیعت میں تکدر پیدا ہوا۔ایک دن حضرت انسؓ سے کہا کہ یہ آپ میرے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہیں اور میری مخالفت پر ہر وقت کمر بستہ ہونے کا کیا سبب ہے۔

حضرت انسؓ نے فرمایا ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو جس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے اگر آپ بھی اسی طرح نماز پڑھائیں تو مجھ سے زیادہ کوئی خوش نہ ہوگا۔ورنہ پھر میں آپ کے ساتھ پڑھنا ہی ترک کردوں گا''۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نہایت نیک نہاد اور سعید الفطرت تھے۔حضرت انسؓ کے ارشاد سے بہت متاثر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ مجھے رموزِ دین کی تعلیم دیں۔ان کو کیا عذر ہو سکتا تھا فوراً حامی بھر لی اور تھوڑی ہی مدت میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کو رموزِ شریعت سے واقف کر دیا۔اب وہ ایسی معتدل نماز پڑھانے لگے کہ خود حضرت انسؓ نے بدیں الفاظ اس کا اعتراف کیا کہ اب اِس نوجوان کی نماز حضور نبی کریم ﷺ کی نماز کے عین مشابہ ہے۔

ایک مرتبہ عبیداللہ بن زیاد والی عراق کی مجلس میں حوضِ کوثر کا ذکر آیا تو اس نے اس کے وجود میں شک کا اظہار کیا۔حضرت انسؓ کو اِس کی خبر ہوئی تو بے چین ہو گئے۔اُٹھ کر سیدھے عبیداللہ کے دربار میں گئے اور اس کو حوضِ کوثر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے آگاہ کیا۔جب تک وہ قائل نہ ہو گیا واپس تشریف نہ لائے۔

حضرت انسؓ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے نہایت پاکیزہ سیرت سے نوازا تھا اِسی طرح ان کو نہایت دلکش اور پاکیزہ صورت بھی عطا کی تھی۔بہت خوبرو اور موزوں اندام تھے چہرے پر نور برستا تھا۔مزاج میں بڑی نفاست اور پاکیزگی تھی۔بالوں میں مہندی لگایا کرتے تھے اور خوشبودار چیزوں کو بہت پسند کرتے تھے۔خلوق نام کی ایک خوشبو جسکی زردی سے چمک پیدا ہوتی تھی۔اِس قدر مرغوب تھی کہ اکثر اپنے ہاتھوں میں ملا کرتے تھے۔بڑھاپے میں دانت ہلنے لگے تو ان کو

سونے کے تاروں سے کسوایا۔ انگوٹھی پہنتے تھے اور صاف ستھرا عمدہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ اِس معاملے میں ان کے پیش نظر یہ حدیث ہوتی تھی کہ اللہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازے تو ایسا لباس پہنو جس سے نعمت کا اظہار ہو۔ کھلی آب وہوا بہت پسند تھی۔ اِس لئے بصرہ کے نواح میں طف کے دیہاتی مقام پر ایک عالیشان وسیع مکان بنوایا تھا اور اسی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ایک باغ بڑے شوق سے لگایا جس میں پھلدار پودے اور پھول کثرت سے تھے۔ یہ باغ سال میں دوبار پھلتا تھا اور اس میں پھولوں کی ایک ایسی قسم تھی جو مشک کی طرح مہکتی تھی۔

نہایت خوش خوراک تھے دستر خوان پر اکثر چپاتی اور گوشت ہوتا تھا۔ کبھی کبھی گوشت میں ترکاری بھی ہوتی تھی۔ لوکی کا موسم ہوتا تو اکثر گوشت کے ساتھ یہی پکواتے کیونکہ ان کے آقا و مولاﷺ کو لوکی بہت مرغوب تھی۔ نہایت فیاض اور کریم النفس تھے۔ کھانے کے وقت جتنے شاگرد موجود ہوتے ان کو باصرار کھانے میں شریک کر لیتے تھے۔

صبح کا ناشتہ ۳ یا ۵ اور بعض اوقات اِس سے کچھ زیادہ چھوہاروں پر مشتمل ہوتا۔ پانی پیتے تو اسے تین وقفوں میں ختم کرتے۔

گفتگو بہت صاف اور جچی تلی ہوتی بالعموم ہر جملہ کی تین بار تکرار فرماتے۔ مسند احمد میں ہے کہ کسی کے مکان پر تشریف لے جاتے تو تین بار اندر جانے کی اجازت طلب کرتے۔

بے حد بردبار اور انکسار پسند تھے اگر چہ نہایت بلند مرتبہ صحابی تھے۔ اونچے درجے کے رئیس اور صاحب علم وفضل بھی تھے لیکن عوام الناس سے ہر جگہ اور ہر وقت بڑی بے تکلفی سے ملتے تھے۔ اکثر فرماتے کہ ہم بیٹھے ہوتے اور رسول اللہﷺ تشریف لاتے تو ہم میں سے کوئی تعظیم کیلئے کھڑا نہ ہوتا تو یہ اس لئے کہ حضورﷺ ایسے تکلفات کو ناپسند فرماتے تھے۔ ورنہ آپ سے بڑھ کر ہمیں کوئی محبوب نہ تھا۔ غرض حضرت انسؓ گوناگوں اوصاف ومحاسن کا ایک پیکر جمیل تھے۔ انہوں نے اپنی سیرت اور کردار کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر مرتسم کیے وہ آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سفر نامہ کروایشیا (آخری قسط)

طارق محمود

الوداعی ظہرانہ

یہاں آنے کے بعد شروع میں سنتے رہے کہ ایک Working Lunch رکھا جائے گا کورس کوآرڈینیٹر اور سپروائزر کے ساتھ لیکن ہمارے محترم میزبان شاید اس روایت حسینہ کیلئے وقت نکالنے کو اپنی ترجیحات میں شامل نہ کر سکے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو ہماری طرف سے جوابی ضیافت بھی ہوتی اور کچھ ربط ضبط اِن حضرات سے بھی بڑھتا لیکن ملتوی ہوتے ہوئے یہ Lunch ہمارا الوداعی ظہرانہ بن گیا۔

روانگی سے ہفتہ بھر پہلے ہمیں دعوت دی گئی۔ظہرانے میں ڈاکٹر نیند، نام سرجن داور سنشا شامل تھے۔مقام اِس دعوت کا مرکز شہر سے ذرا دور پہاڑی سلسلے کے آغاز میں رکھا گیا تھا۔موسم بھی حسنِ اتفاق سے نہایت شاندار تھا دھوپ کے باوجود بلندی اور درختوں کے باعث اس علاقے کی آب و ہوا نہایت صاف اور لطیف تھی۔ کھانے کے لوازمات یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ پہلے دور مشروبات کا۔پھر کچھ لوازمات ،اسکے بعد روسٹ لیمب اور رٹر کی پھر سویٹ ڈش اور آخر میں کافی۔محفل تقریباً تین گھنٹے جاری رہی۔مختلف موضوعات چلتے رہے۔ میں نے ذرا روانی پیدا کرنے کو اپنے مخصوص نوعیت کے سوالات شروع کئے۔

بات شادی کے رسم و رواج کی ہو رہی تھی کہ یہاں شادی سے پہلے ایک Beacklons Evening منائی جاتی ہے جس میں دولہا کے دوست مل کر اس کے ساتھ خوب شغل کرتے ہیں اور یہ اظہار اِس بات کا ہوتا ہے کہ اب اس بدنصیب کو یہ Freedom نہ مل سکے گی بقیہ زندگی میں۔

شادی کیلئے دو طریقے رائج ہیں۔ایک چرچ کے ذریعے اور ایک میونسپل ادارے میں۔ چرچ کے ذریعے شادی کیلئے چرچ سے رسمی تعلق ہونا ضروری ہے لیکن ایک قباحت اس میں یہ ہے کہ اس میں طلاق نہایت مشکل امر ہے۔اِس کے لئے پوپ کے دفتر سے ٹھوس بنیادوں پر اجازت لینا پڑتی ہے۔دفتر شادی میں ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔

اب میں نے سوال داغا کہ جب آپ لوگ شادی کے بغیر بھی اکٹھے رہ سکتے ہیں تو پھر اس

بندھن کی کیا مجبوری ہے؟ نہ شادی ہو نہ طلاق کی نوبت آئے اور اگر ساری زندگی اکٹھے گذر جائے تو کیا ہرج ہے؟ اس کا عمومی جواب یہی تھا کہ یہ مطالبہ عموماً عورت کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ اس میں تحفظ محسوس کرتی ہے۔ اگر چہ مرد کو اس کی زیادہ خواہش نہیں ہوتی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں فریق اپنے اپنے اثاثے کو ملا کر اس کے نصف ،نصف کے مالک بن جاتے ہیں اور یہ ہی بڑی وجہ اس ''انتہائی اقدام'' کی نظر آتی ہے خصوصاً عورت کے مطالبے کے پیچھے۔

یہ بھی بتایا گیا کہ اب صرف یہ ڈیکلیئر کر دینا ہی کافی ہوا کرے گا کہ دونوں اکٹھے رہ رہے ہیں اور یہ دونوں کو مساوی حقوق ملنے کیلئے کافی ہوگا اِس لئے اب بہت سے لوگ اس بندھن سے آزاد رہنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اب میں نے موضوع کو عقائد کی طرف موڑا کہ کیا یہاں کی سوسائٹی پر چرچ کا کچھ عمل دخل ہے؟ تو ڈاکٹر نینڈ نے وضاحت کی کمیونسٹ دور میں تو فوجیوں اور سرکاری ملازموں کو چرچ جانے کی اجازت نہ تھی اس لئے گذشتہ ایک دو دہائیوں میں لوگ چرچ سے دور ہوتے چلے گئے۔ لیکن اب پھر ان کا رجوع خدا کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مسٹر ٹام تو چونکہ مذہب کی قیدو بند سے آزاد ہے اس لئے اِسے کسی سوال کا جواب دینے سے کوئی جھجک نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر نینڈ بھی رواجی قسم کے عیسائی ہیں۔

داور کے بقول بائبل کی توضیحات وقت کے مطابق حالات کو سامنے رکھ کر کی جاتی رہی ہیں اس لئے یہ تحریف کے زُمرے میں نہیں آتیں کیونکہ بائبل نے تمثیلوں کے ذریعے بات پہنچائی ہے اور حالات میں تبدیلی کے ساتھ انکو نئے تناظر میں لے لیا جاتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ یہ رائج الوقت اعتقاد اور عمل ۔ بائبل کو بھی acceptable ہے؟ اور کیا یہ Religion by birth اور Closed book belif کچھ قدر و قیمت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر نینڈ نے کہا کہ سوال تو سیدھا ہے لیکن جواب اس کا اتنا آسان نہیں ہے۔ ہماری معلومات بھی اس سلسلے میں بہت کم ہیں اور اگر میں چاہوں تو ایک نشست ڈاکٹر صلاح کے ساتھ ترتیب دی جائے جو مدت دراز سے یہاں مقیم ہے اور مقامی رسم و رواج سے بھی بخوبی آشنا ہے۔ اِسی دوران ڈاکٹر نینڈ نے اس کو فون کیا اور اگلے دن ملاقات طے پا گئی۔

(ڈاکٹر صلاح کا غائبانہ تعارف لال خاں صاحب نے کروا رکھا تھا اگر چہ ملاقات ان سے آخری جمعہ پر ہی ہو سکی)

زیگرب میں آخری کھانا (The Last Supper)

حضرت عیسیٰؑ نے مصلوب ہونے سے پہلے اپنے حواریوں کے ساتھ جو کھانا کھایا تھا۔ اسکو The Last Supper کا نام دیا جاتا ہے۔ ہم نے بھی زیگرب میں The Last Lunch کا اہتمام کیا جس میں تثلیث کے تین کونے میں، اشتیاق اور جاوید تھے۔

کھانے کا جزوِ اعظم "جھٹکہ" ہی تھا اگرچہ حلال تھا۔ ذبیحہ نہ تھا۔ اپارٹمنٹ کے مالک کی آمد بھی کھانا ختم ہونے تک ہوگئی۔ اس سے معاملات بخیر وخوبی انجام پذیر ہوئے۔

سفر واپسی

ہمیں ائیر پورٹ لے جانے کیلئے سرجن صاحب دوپہر ڈیڑھ بجے آ گئے۔ جاوید صاحب کو الوداع کہا اور عازمِ ائیر پورٹ ہوئے نصرت فتح علی کی حال ہی میں سنی ہوئی قوالی کانوں میں گونج رہی تھی۔

بجھی ہوئی شمع کا دھواں ہوں اور اپنے مرقد کو جا رہا ہوں

چار ماہ کے اس لطف اور انبساط سے بھرپور قیام کے خاتمے کا ملال اُس خوشی پر غالب آ رہا تھا جو اتنے طویل قیام کے بعد گھر جاتے ہوئے ہونا چاہیے تھی۔ وجہ اسکی واضح ہے کہ وہاں صرف گھر ہی نہیں ہے بلکہ وہ تمام تر سماجی اور معاشرتی تباحتیں بھی استقبال کریں گی جن کا نقطہ آغاز اسلام آباد ائیر پورٹ کی افراتفری اور بدنظمی ہوگا۔

معمول کی زندگی میں بلاسبب پہنچنے والی کوفت اس پر مستزاد ہوگی۔ موسم بھی بدترین کیفیت میں داخل ہو چکا گا۔ وغیرہ وغیرہ!

زیگرب ائیر پورٹ

یہاں کا ائیر پورٹ کچھ ایسا متاثر کن نہیں ہے۔ Check in کاؤنٹر والا حصہ بھی ائیر کنڈیشنڈ نہ ہونے کی وجہ سے ماحول کچھ Uncomfortable سا تھا۔ صبح سے بادل اور بارش کا سلسلہ جاری تھا لیکن روانگی کے وقت حبس سا محسوس ہو رہا تھا۔ آنے والے دنوں میں ایسا ہی موسم متوقع تھا۔

میں نے سرجن کو کہا کہ یہاں کسی قسم کا مسئلہ متوقع نہیں ہے لہٰذا وہ اپنا وقت برباد نہ کرے۔ اپنا موبائل نمبر دے کر واپس چلا جائے۔ اس نے اس پیشکش کو بلا تامل قبول کیا اور نیک تمناؤں کے رسمی اظہار کے بعد روانہ ہوا۔

ائیر پورٹ آتے ہوئے باقیماندہ سوالوں کے کارتوس میں نے سرجن پر ہی چلائے۔اس کے تین بیٹے ہیں اورابھی دس بارہ سال سے کم عمر کے ہیں۔میں نے پوچھا کہ یہ جونوعمرلڑ کےاور لڑکیاں رات گئے تک آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں انکے ماں باپ اس سے تنگ نہیں پڑتے؟ کہنے لگا بیشتر تنگ ہوتے ہیں لیکن کیا کر سکتے ہیں؟ بقول اسکے، یہ نائٹ کلب وغیرہ اسکے لڑکپن میں یوں نہ تھے۔انکے اوقات رات گیارہ بجے تک محدود تھے۔لیکن اب تو صبح 4 بجے تک کھلے رہتے ہیں۔

پوچھا کہ تمہارا بیٹا اگر رات گئے گھر آئے تو کیا محسوس کرو گے کہنے لگا میں کیا کرسکوں گا؟ میں ذہنی طور پر تیار رہوں اس صورت حال کیلئے اس نے اپنے بڑے بھائی کے بارے میں بتایا جسکو اپنے بیٹے کو لینے کیلئے رات تین بج جانا پڑتا ہے۔جب وہ رات دیر کردے کیونکہ اس کے علاقے میں پبلک ٹرانسپورٹ اتنی عام نہیں ہے۔

میں نے تبصرۃً کہا کہ عجیب بات ہے کہ تم نے نائٹ لائف خود تو Enjoy نہیں کی لیکن اسکو بھگتنے پر مجبور رہو۔

دوبئی ائیر پورٹ

زیگرب سے ویانا اور ویانا سے دوبئی تک آسٹرین ائیر لائن سے سفر کیا۔اب واسطہ پڑنا تھا پیا سے (PIA) بورڈنگ کارڈ ویانا والا بھی زیگرب میں دے دیا گیا تھا، سامان اسلام آباد تک بک کروادیا تھا۔

دوبئی ائیر پورٹ پر ہدایت ملی کہ ٹرانسفر ڈیسک پر رپورٹ کریں وہ مسافر جنکی Connected flight ہے۔ٹرانسفر ڈیسک سے گذرتے ہوئے کوئی Direction نہ دیکھی لہٰذا ایک کمپیوٹر پر اپنی فلائٹ کانمبر اور گیٹ نمبر دیکھ کراس گیٹ پر پہنچے جہاں PIA کے Sign نظر آئے۔ میں نے قطار کی طوالت دیکھتے ہوئے اشتیاق سے کہا کہ کیوں نہ ایک چکر Duty Free شاپس کالگالیں اتنی دیر میں رش کم ہو جائے گا۔

تین بجے فلائٹ کا وقت تھا۔ہم سوا دو بجے کاؤنٹر پر آئے۔تو سوال ہوا کہ بورڈنگ کارڈ؟ ہم نے کہا کہ یہ کہاں سے ملیں گے؟ جواب ملا کہ یہ تو ٹرانسفر ڈیسک سے ملنا تھے اور اب تو فلائیٹ میں ایک گھنٹہ باقی ہونے کی وجہ سے بورڈنگ بند ہو چکی اور آپ کی سیٹیں Cancel۔یہ ماجرا پہلے کہیں نہ دیکھا تھا۔کئی بار سفر کیا آدھا گھنٹہ پہلے بھی پہنچ کر بورڈنگ کارڈ کیلئے کوئی مسئلہ پیش نہ

آیا۔عرض کیا کہ بورڈنگ کارڈ کیلئے کوئی رہنمائی نہ کی گئی۔کہا کہ یہ پوچھ لینا چاہیے تھا۔ٹرانسفر ڈیسک پرCounter لگے ہوئے ہیںCheckin کیلئے بتایا کہ وہاںPIA کا کاؤنٹر تو تھا ہی نہیں اور رائیر لائنز کے تھے۔جواب ملا کہ کسی سے بھی پوچھ لیتے۔یعنی ہر حال میں غلطی ہماری ہی تھی۔ہمیں انتظار کرنے کا کہہ کر وہ اور مسائل میں اُلجھ گئے۔

جتنی بے قاعدگی اور تکرار اس کاؤنٹر پر دیکھی،کبھی بین الاقوامی سفر میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں دیکھا۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ ہمیں طفل تسلی دی گئی ہے اور فلائٹ کا ٹائم گذرنے کا انتظار کروایا جا رہا ہے اور ایسا ہی ہوا۔تین بجے یہ مژدہ سنایا گیا کہ آپ اب اگلی فلائیٹ کیلئے ریزرویشن کروالیں جو صبح 9 بجے ممکن ہوگی دفاتر کھلنے کے اوقات تک۔

ٹرانسفر ڈیسک پر دوبارہ گئے تو دو کاؤنٹرز پر دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ہم دونوں نے ایک ایک سے رابطہ کیا۔میں نے کہا کہ فلائٹ تو جا چکی لیکن خدارا یہ تو بتا دیا جائے کہ ہم نے یہ غلطی کیونکر کی؟ ہمیں کیسے علم ہوتا کہ کس کاؤنٹر پر جانا ہے؟

کہنے لگی اوپر تمام سکرین پر لکھا ہوا ہے کہ All flight will be checkin in here۔میں نے کہا کہ تقریباً تمام سکرین پر کچھ اشتہار سے تھے ایسی کوئی ہدایت ہم نے نہ دیکھی تھی۔بولی کہ غلطی آپ کی ہے۔ورنہ ہدایت تو واضح طور پر لکھی ہوئی ہے۔میں پیچھے ہٹ کر تمام سکرین کو دیکھا،مبینہ Statement کہیں نظر نہ آئی۔پھر اس ترش مزاج لڑکی سے کہا کہ یہاں تو کوئی ایسی بات نہیں لکھی ہوئی۔تلخی سے بولی کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ذرا غور سے دیکھیں سب جگہ لکھا ہوا ہے۔دوبارہ کافی دیر دیکھنے پر بھی یہ الفاظ نہ نظر آئے تو میں نے بھنا کر کہا کہ تم خود باہر نکل کر بتاؤ کہ کہاں لکھا ہوا ہے؟

اتنی دیر میں اشتیاق کو اس حرافہ کی معصومیت پر ترس آ چکا تھا اور اس نے نامناسب انداز میں اسکی سائیڈ لیتے ہوئے مداخلت کی کہ کیوں اس بیچاری کوPressurise کر رہے ہیں۔معصوم سی بچی ہے۔میں نے اِس غیر معقول Interruption کی وجہ سے بات ختم کر دی اور آئندہ کے لائحہ عمل پر غور شروع کیا۔

دوبئی میں قیام کی خواہش تو بہت تھی اور سابقہ ٹکٹ میں بطور خاص اس کا اہتمام بھی کیا تھا

لیکن Extension کی وجہ سے وہ ٹکٹ کینسل ہوا اور وہ ایک دن کا قیام دوبئی بھی۔اس بات کا تذکرہ کئی مرتبہ اشتیاق سے ہوا لیکن روٹ میں ردو بدل کو مناسب نہ سمجھ کر اس خواہش کو تشنہ چھوڑ دیا گیا۔

اب اس جبری قیام کے بارے میں ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا تو ساری کوفت، راحت میں بدل گئی یہ سوچ کر کہ دوبئی کا قیام تو خود تمہاری خواہش تھی جو یوں پوری کر دی گئی۔اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ بھی نہ تھا۔

لیکن دوبئی ائیر پورٹ پر 36 گھنٹے گذارنا راحت نہیں بلکہ ایک عذاب محسوس ہو رہا تھا۔قیام کروشیا میں پوری ہونے والی تمام چھوٹی بڑی خواہشوں کی وجہ سے مجھے گمان ہو رہا تھا کہ یہ آخری خواہش اس 4 ماہ کے قیام کی بھی یقیناً پوری کر دی گئی ہے۔اسی خوش فہمی نے مجھے معلومات لینے پر اُکسایا کہ کیسے اس وقت کو استعمال کیا جائے دوبئی میں سیر اور خریداری کیلئے۔

اشتیاق کی خواہش تھی کہ چند گھنٹوں بعد جانیوالی PIA کی لاہور والی فلائیٹ پکڑ کر روانہ ہوا جائے جبکہ میں اس وقت کو بہتر انداز میں گذارنا چاہ رہا تھا۔اسلام آباد والی فلائیٹ اگلے دن تھی۔ اشتیاق نے معاملات کو میری صوابدید پر چھوڑ کر ایک صوفے پر لیٹ کر اپنی نیند پوری کرنے کا پروگرام بنالیا۔

دوبئی کا ایک روزہ ویزا

جویندہ،یابندہ کے مصداق میں نے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک Option ویزا کی پا ہی لی۔مرحبا سروسز کے نام سے ایک کمپنی والے ایک دن کا ویزا بمع تھری سٹار ہوٹل میں قیام اور آمدو رفت کی سہولت، سنگل بیڈ کے ساتھ 50 ڈالر میں اور ڈبل بیڈ کے ساتھ 60 ڈالر۔ نہایت معقول پیشکش تھی لہذا بلا تامل avail کی اور دس بجے ہوٹل فریسلی میں ورود ہوا۔

ہوٹل میں سامان رکھ کر نہا دھو کر باہر نکلے کہ خریداری کا شوق پورا کیا جائے۔PIA سے فلائٹ کنفرم کروا کر بس سٹاپ پر آئے۔اب مسئلہ یہ تھا کہ مناسب خریداری کا ٹھکانہ کیسے معلوم ہو کہ اس کے بغیر تو کوئی چیز لینا خسارے کا سودا ہی ہوتا۔اسی تجسس میں ایک دو لوگوں سے پوچھا بھی۔گرمی بھی شدید تھی۔ایک بڑے میاں اچانک نمودار ہوئے بس سٹاپ پر۔تعارف ہوا تو بنگلہ دیش کے نکلے۔پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہاں پر متعدد بار آ چکے ہیں اور ارزاں مارکیٹوں سے بخوبی واقف ہیں۔

اُنہوں نے یہ بھی بتایا کہ اتفاق سے آج وہ فارغ ہیں اور یونہی بازار کا چکر لگانے جا رہے ہیں اگر ہم چاہیں تو وہ ہمیں کمپنی دے سکتے ہیں اور خریداری میں بھی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

ان کی یہ Offer بڑے اطمینان کا باعث ہوئی اور ہم انکی اُنگلی پکڑے انکے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ دوپہر کا کھانا بھی ایک اچھے پاکستانی ریسٹورنٹ سے کھایا گیا جس کا بل اِن محترم نے چپکے سے ادا کر دیا۔

نام اِن حضرت کا پوچھا تو غازی محمد ارشد بتایا۔ میں نے ازراہِ تفنن کہا کہ یہ غازی کا رُتبہ آپ کو پاکستانی فوج سے لڑنے پر ملا؟ اُنہوں نے طنز کو خوشگوار انداز میں لیتے ہوئے اس وقت کی صورت حال اور پاک فوج کے عمومی کردار کے بارے میں بتایا جو کہ انکی مدافعانہ جوابی کاروائیوں کو درست ثابت کرتا تھا۔

4 بجے واپس ہوٹل آئے۔ نہا کر دم لیا بلکہ سو گئے۔ شام 7 بجے غازی صاحب کی آمد کی اطلاع ریسپشن سے ملی۔ ان سے دوبارہ ملاقات کیلئے یہی وقت طے تھا۔ دوبارہ ان کے ساتھ بازار جانے سے پہلے ایئر پورٹ سے اپنے سامان کے بارے میں تسلی کی۔ چند کھلونے اور پرفیوم ازراہِ خریداری، لئے اور 12 بجے واپس ہوٹل آئے۔

اگلے دن 2 بجے فلائٹ تھی ہم نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے دس بجے ہوٹل سے Check out ہونا مناسب جانا کہ واسطہ PIA سے تھا۔ ایئر پورٹ پر وقت گذارنا بھی دوبئی میں اتنا مشکل نہیں۔ اس رات اشتیاق پر کیا گذری، اس کا اندازہ اس کے کانوں میں ٹھونسے ہوئے Tissue Paper سے لگایا جا سکتا ہے۔

شکایات کا آغاز

وطن عزیز کا جلوہ تو دوبئی میں ہی نظر آنا شروع ہو چکا تھا خصوصاً PIA سے واسطہ پڑتے ہی۔ جہاز میں دانستہ طور پر ہم نے بکنگ پر بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے ایک قطار کے دونوں سروں والی کھڑکیوں کے ساتھ والی نشستیں لے لیں۔ یوں چار ماہ کی جبری رفاقت کے خلاف یہ ایک پر امن اور دلچسپ احتجاج تھا، لیکن بھی میری بھول ہی تھی۔ وطن عزیز میں صرف ایک ہی اشتیاق تو نہیں ہے۔

میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک کیم شیم شخص بیٹھا تھا چھوٹی چھوٹی داڑھی، اس کے پھیل کر

بیٹھنے کی وجہ سے اس کے گھٹنے اور کہنی کا دباؤ مسلسل مجھ پر پڑ رہا تھا۔اس سے بات کرنے پر طبیعت آمادہ نہ ہو رہی تھی۔کئی بار کہنی کا دباؤ ڈال کر احساس دلانے کی کوشش کی لیکن بے سود، کہیں ان لوگوں کے کان میں آداب نشست و برخاست پڑے ہوں تو انکو احساس ہو۔

یورپ میں بھرپور رش کے باوجود کبھی جسم کے چھو جانے کے امکانات بھی نہ ہونے کے برابر ہیں اگر چہ اکثر موقعوں پر انسان اس کی شدید خواہش بھی کر رہا ہوتا ہے لیکن یہ اہل قبلہ حرم میں بھی دھکے دیتے اور کھاتے ہیں تو اور کسی جگہ کا کیا تذکرہ۔

ایئر ہوسٹس پانی دینے آئی تو میرے ہمسفر نے نہایت درشتی سے اسکی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی کہ اسکو جگ پکڑنے کیلئے بایاں ہاتھ اور گلاس پکڑنے کیلئے دایاں ہاتھ استعمال میں لانا چاہیے۔

اس طرح سے کی گئی نصیحت کس حد تک مفید ہو سکتی ہے یہ اس ایئر ہوسٹس کے انداز سے واضح تھا۔بیشتر اہل تبلیغ کی مانند یہ صاحب بھی حکمت سے نا آشنا ہی تھے۔

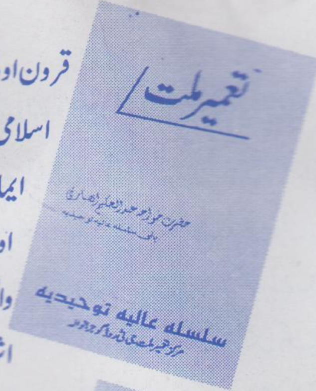
یہ تمام سفر ان صاحب کی کوفت رساں کمپنی کی نذر ہوا اگر چہ ایک مرتبہ میں نے تنگ آ کر انکو اپنے وزن پر رہنے کیلئے کہہ بھی دیا تھا۔

اسلام آباد ایئر پورٹ پر کنویئر بیلٹ چھوٹی ہونے کی وجہ سے حد درجہ بد نظمی اور اذیت اُٹھانی پڑتی ہے۔ٹرالیاں لئے ہوئے لوگ بیلٹ کو ہر طرف سے گھیرے ہوتے ہی۔الغرض سامان کا حصول جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔

تحریری شکایت: سامان ملا تو اٹیچی کیس کا ہینڈل اکھڑا ہوا اور ایک جگہ سے پھٹا ہوا پایا۔ ہزار، بارہ سو کا لیا تھا، اتنا قیمتی تو ہرگز نہیں تھا لیکن ذوقِ شکایت کی تسکین کیلئے موقع پر موجود PIA کے سٹاف سے Danger کا کلیم بنانے کو کہا۔

اس نے مجھے تحریری کاروائی سے باز رکھنے کے سارے حربے آزما لئے لیکن میں نے بھی ٹھان رکھی تھی کہ شکایت تو درج کروا کے ہی رہوں گا۔اس نے آخری حربہ کے طور پر صرف Repair کا Claim بنانے کو تسلیم کیا۔میں نے کہا کہ جو بھی کرنا ہے کرو لیکن اس کو record پر ضرور لانا ہوگا۔یوں اس نے شکایت درج کی اور کہا کہ بعد میں خالی بیگ دے جائیں۔مرمت کروا دیا جائے گا۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اکیس درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



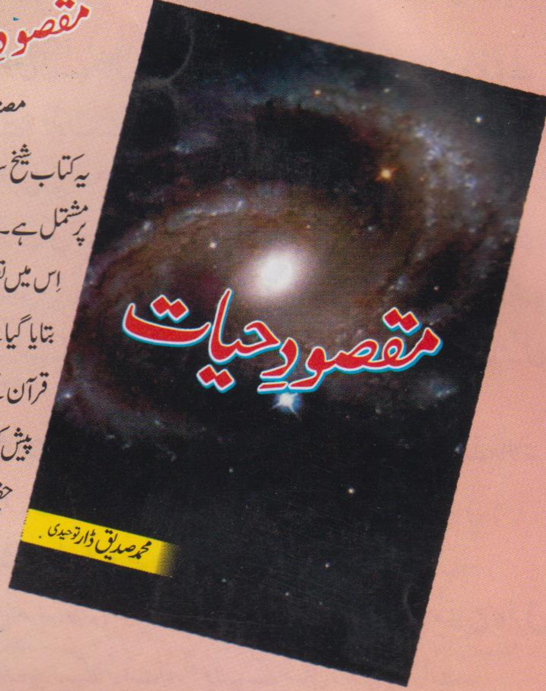
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو اُنہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

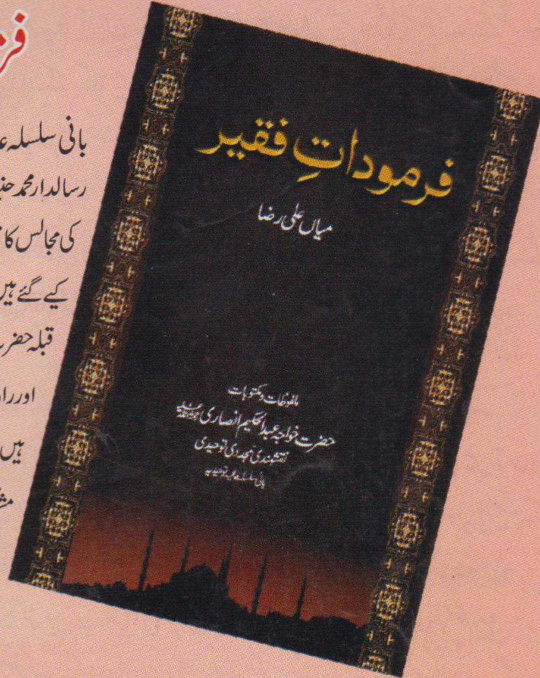


فرمودات فقیر

مرتب: میاں علی رضا

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔



Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net